تحریر کی اسلامی روایت اور ادارہ تحقیقات اسلامی کے نوادرات

محمد ضیاء الحق ۞

تعارف

انسانی تہذیب و تمدن کی تمام تر ترقی کا سہرا اس علمی حرکت کے سر ہے جو تحریر کی بنا پر وجود میں آئی۔ سوچ و فکر اور عمل و حکمت کے ہر انسانی پہلو میں جو بھی ارتقائی منازل آئیں، وہ تحریر کی بنا پر تشکیل کردہ علم و ہنر ہی کا نتیجہ ہیں۔ جس طرح دوسری تہذیبوں کے مقابلے میں قبل از اسلام کی عرب تہذیب کی بڑی کام یابی اس کا ادبی سرمایہ تھی، اسی طرح نزول قرآن کے بعد تشکیل پانے والی اسلامی تہذیب و تمدن کا کارنامہ وہ علمی شاہ کار ہیں جن کی وجہ سے نہ صرف اسلامی تہذیب و تمدن نے عروج حاصل کیا، بلکہ موجودہ انسانی ترقی میں بھی خاطر خواہ حصہ ڈالا۔ یہ اسلامی روایت تحریر کے انواع و اقسام کے اسالیب اور آلات سے پروان چڑھی اور اسی روایت کا تجزیاتی مطالعہ اس تحقیق میں کیا گیا ہے۔

تحریر کا مفہوم کیا ہے؟ یہ کن ارتقائی منازل سے گزری؟ عربی زبان میں تحریر کا آغاز کیسے ہوا؟ نزول قرآن اور تدوین قرآن نے مسلمانوں کے ہاں کس طرح کی علمی تحریک کو جنم دیا؟ اس علمی تحریک کے نتیجے میں کس طرح کے علمی نوادرات وجود میں آئے؟ اور ان میں سے کون کون سے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نوادرات ادارہ تحقیقات اسلامی میں موجود ہیں؟ یہی وہ بنیادی سوالات ہیں جن کے جوابات اس تحقیق میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس تحقیق کے پہلے حصے میں تحریر کے معنی کے تعین کے حوالے سے مختلف آرا کا تجزیہ کر کے اس کا ایک معاصر مفہوم پیش کیا گیا ہے، جب کہ دوسرے حصے میں ان مراحل کا تجزیہ کیا گیا ہے جن سے گزر کر تحریر دور حاضر کے عروج تک پہنچی۔ مقالہ ہذا کے تیسرے حصے میں حروف ابجد کی تشکیل کے حوالے سے جو ترقی ہوئی اس کا جائزہ لیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح تصویروں اور رموز کی جگہ الفاظ نے لی۔ اس کے بعد عربی زبان میں تحریر کے ارتقا کا تجزیہ کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کن علاقوں میں کون سی

۞ پروفیسر شریعہ و اسلامک لا / ڈائریکٹر جنرل ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔
(muhammad.ziaulhaq@iiu.edu.pk)

زبانوں اور ان کے رسم الخط سے متاثر ہو کر عربی رسم الخط ایجاد ہوا۔ مقالے کے پانچویں حصے میں تہذیب اسلامی میں مخطوطات کی روایت کے آغاز و ارتقا کا جائزہ لیا گیا ہے نیز یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح قرآن پاک کی کتابت اور تدوین نے تحریر کی اسلامی روایت کو مہمیز کیا۔ پاکستان میں موجودہ مخطوطات کے مجموعات کا تعارف اور اس ضمن میں ضروری معلومات اس مقالے کے چھٹے حصے میں زیر بحث لائی گئی ہیں جب کہ ساتویں حصے میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے علمی نوادرات کا تجزیہ و تعارف پیش کیا گیا ہے۔ مقالے کے نتائج میں تحریری نوادرات اور مخطوط نویسی کے اسلامی تہذیب و تمدن کے علمی ارتقا پر اثرات کی وضاحت کی گئی ہے۔

یہ مقالہ بیانیہ، دستاویزی اور تاریخی تحقیق کے اصولوں کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے، جب کہ نوادرات کے متعلق معلومات کا تجزیہ کرتے ہوئے فن خطاطی و کتابت کے اصولوں اور اس کی مصطلحات کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔ تحریر کے مختلف ارتقائی مراحل کی وضاحت کے لیے تصاویر اور جدول بھی دیے گئے ہیں جب کہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے نوادرات کو بھی اس مقالے کا حصہ بنایا گیا ہے تاکہ قاری کو ان نوادرات سے کماحقہ تعارف حاصل ہو جائے۔

تحریر کے مفہوم کے تعین اور اس کے ارتقا کے حوالے سے لکھی جانے والی کتب اور مقالات سے استفادہ کرتے ہوئے اس مقالے میں تحریر کے مراحل کا تجزیہ کیا گیا ہے جب کہ فن کتابت کی وضاحت کے لیے عربی زبان و ادب، اسلامی تاریخ، علوم القرآن اور اسلامی تہذیب و ثقافت سے متعلقہ مصادر سے مواد تحقیق حاصل کیا گیا ہے۔ جس جگہ ضروری ہوا تجزیہ اور تفاصیل کے لیے معاصر تحقیقی مضامین اور جدید کتب سے استفادہ بھی کیا گیا ہے۔

۱۔ تحریر کا معنی و مفہوم

تحریر کا مفہوم

ہزاروں سال سے تحریر اور انسان کا باہمی تعلق ہے۔ تحریر کا انسانی زندگی اور تاریخ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ تحریر انسانی زندگی کے ارتقا اور انسانی تہذیب و تمدن کے مراحل کی کہانی ہے۔ چوں کہ تحریر کے مختلف اسالیب، مختلف زبانوں اور مختلف تقاضوں میں متفرق طریقوں سے پیش کیے جاتے ہیں، اس لیے تحریر یعنی Writing کی ایک متفقہ علیہ تعریف نہیں ہے۔ اسی طرح مختلف علوم سے متعلق تحریریں ان علوم کی خاص اصطلاحات کی مرہون منت ہوتی ہیں؛ اس لیے علوم کا فرق بھی تحریر کے تصور پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ماہرین لسانیات

(Philologists)، مؤرخین (Historians)، ماہرین تعلیم (Educationist)، کمپیوٹر کے ماہرین، دین اور ماہرین انسانیات وغیرہ کے ہاں تحریر کا اپنا اپنا تصور ہے جس کی وجہ سے تحریر کی مختلف تعریفات وجود میں آئی ہیں۔ مزید بر آں تحریر کی کئی قسمیں اور صورتیں رہی ہیں۔ مٹی کی تختیوں سے لے کر کمپیوٹر کی Chips پر محفوظ کی جانے والی معلومات سب تحریر کی مختلف شکلیں ہیں اور یہ سب شکلیں تحریر کے مختلف عکس ہی نہیں، بلکہ تحریر کے مختلف تصورات بھی ہیں۔ اس بنا پر تحریر کی کوئی ایک متفقہ تعریف ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔[۱]

Writing کے لیے اردو میں تحریر کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی نوشت، لکھنا وغیرہ کے ہیں۔ ہلکی لکیر یا ہلکا نقش کھینچنا بھی تحریر ہے۔ تحریر میں کئی چیزیں شامل ہیں، جیسے خط، رقعہ، خط و کتابت، دستاویز، نوشتہ وغیرہ۔ تحریر کے مفہوم میں لکھنے کا انداز، مضمون نگاری کا اسلوب، تصنیف و تالیف جیسے امور بھی شامل ہیں۔ تحریر کرنا سے مراد لکھنا، رقم کرنا یا قلم کے ذریعے الفاظ کو کاغذ پر منتقل کرنا بھی ہے۔ جو حکم یا فرمان تحریر کی صورت میں ہو اسے تحریری کہا جاتا ہے۔ تحریر واحد اور مؤنث ہے اور اس کی جمع تحریرات ہے۔[۲] عربی میں تحریر کے لیے کتابت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔[۳]

تحریر (Writing) وہ فکری سرگرمی ہے جس میں سوچ، نظریات، ملاحظات اور سمجھ کو جملوں اور پیراؤں میں اس غرض سے منتقل کیا ہے تاکہ لوگ انھیں سمجھ سکیں۔ تحریر سے ان خیالات اور افکار کا پتا چلتا ہے جن کو مصنف الفاظ کی مناسب انداز سے ترتیب کے ساتھ ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ تحریر کے ذریعے مصنف کے ان خیالات کو الفاظ کی صورت میں منظم انداز میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ ایک رائے کے مطابق تحریر (Writing) کی تعریف میں کم از کم چھے درج ذیل جہتیں ہیں:

1-Writing is a system of recording language by means of or tactile marks ; 2- The activity putting such a system to use 3-The result of such activity, a text ; 4- The particular form of

---

1– Florian Coulmas, *Writing Systems: An Introduction to their Linguistic Analysis* (Cambridge: University Press, 2003); Florian Coulmas (Edi), *The Blackwell Encyclopedia of Writing Systems* (Oxford: Blackwell Publishers, 1996).

۲– مولوی فیروز الدین، **فیروز اللغات اردو جامع** (راولپنڈی: فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۲۵ء)، ۳۴۴۔

۳– اس کی وضاحت اس مقالے کے اگلے صفحات پر ہے۔

such a result, a script style such as block letter writing ; 5-Artistic composition ; 6- A Professional occupation.[(4)]

(۱- تحریر زبان کو محسوس و مرئی نشانات کے ذریعے قلم بند کرنے کا نظام ہے۔ ۲- ایسی سرگرمی جو استعمال کا ایک نظام وضع کرے۔ ۳- مذکورہ بالا سرگرمی کا نتیجہ متن ہوتا ہے۔ ۴- اس طرح کے نتیجے کی مخصوص صورت، تحریری اسلوب جیسے جلی حروف میں کتابت۔ ۵- فن کارانہ ترکیب۔ ۶- پیشہ وارانہ مشغولیت۔)

تحریر کرنے کی ہر کوشش یا توقتی (Adhoc) تصور ہوتی ہے یا پھر Anachronistic فرسودہ، دقیانوسی یا پھر ثقافتی تعصب کا شکار قرار دی جاسکتی ہے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ تحریر کی بعض تعریفوں کا تجزیہ کرتے ہوئے ایک مناسب مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی جائے۔

تحریر کی ایک مقبول عام تعریف ارسطو کی ہے:

ارسطو کی منطق کے دوسرے جز Peri Hermeneias کا آغاز کچھ بنیادی چیزوں کی وضاحت سے ہوتا ہے جس میں تصورات (Concepts) اور اشارے (Signs) بھی شامل ہیں۔ اسما (Nouns) اور افعال (Verbs) کے جملوں کے اجزا کے طور پر درست اور غلط ہونے کے ذکر سے پہلے وہ ان لسانی اجزا کا ذکر کرتے ہیں جو نظریات اور فکر کو الفاظ سے جوڑتے ہیں؛ اس ضمن میں ارسطو کہتے ہیں:

> Words spoken are symbols of affections or impressions of written words are symbols of words spoken. And just as are not the same for all men, sounds are not the same either, although the affections directly expressed by these are the same for everyone, as are the things of which these impression are images. [(5)]

(ملفوظ الفاظ روح کے میلانات و تاثرات کے نشان ہوتے ہیں؛ مکتوب الفاظ، ملفوظ الفاظ کی علامات ہوتے ہیں۔ جس طرح کلمات سب لوگوں کے لیے یکساں اثر نہیں رکھتے، آوازوں کا معاملہ بھی یہی ہے۔ اگرچہ ان اشارات کی مدد سے براہ راست بیان کردہ میلانات ہر ایک کے ایک ہوتے ہیں، جس طرح ان تاثرات کو بیان کرنے والے نشانات کا معاملہ یکساں ہوتا ہے۔)

اس تعریف میں ارسطو کا ہدف الفاظ اور تصورات کے درمیان رشتے کی وضاحت کرنا ہے۔ ان کے خیال میں تحریر کی ضرورت اس لیے ہے کہ الفاظ اپنے آپ کی وضاحت یا تحریر کی صورت میں کرتے ہیں یا پھر آواز کی

4– Florian Coulmas, op.cit., 1.

5– Aristotle, *Peri Hermeneias, translated by E.M.Edghill* P.l www.bocc.ubi.; Florian Coulmas, *Writing Systems*, 2.

صورت میں۔ ارسطو کی اس وضاحت کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ تحریر ایسے اشارے تخلیق کرتی ہے جو دوسرے اشاروں کے لیے حوالہ بنتے ہیں۔ ارسطو کی فکر میں تحریر کی وضاحت حسب ذیل ہے:

Things → affections of soul →spoken word→written word.

ارسطو کی وضاحت یونانی حروف تہجی کا نتیجہ ہے؛ کیوں کہ یہ تصور کیا جاتا ہے کہ یونانی حروف ابجد دنیا کا پہلا صوتی تحریر کا انسانی نظام ہے۔[۶]

اسی حوالے سے چینی تہذیب کا مطالعہ بھی بہت مناسب ہو گا۔ چینی ادبی روایت ارسطو کی فکر سے بہت مختلف نہیں ہے، لیکن یہ ایک مختلف پس منظر میں پروان چڑھی؛ اس لیے اگر اس کا بہ غور جائزہ لیا جائے تو اس میں فرق بھی نظر آتا ہے۔

چینی فلسفی اور ادیب Liu Hsieh (۴۶۵–۵۲۲)اس ضمن میں کہتے ہیں:

When the mind is at work, speech is uttered. When speech is uttered writing is produced. The tao inspires writing and illuminates the tao. What in minds is idea when expressed in speech is poetry. Is not this what we are doing when dashing writing to record reality? Writing originated when drawing bird trace replaced string Knitting.[7]

(جب ذہن مصروف کار ہوتا ہے تو گفت گو کا تکلّم کیا جاتا ہے۔ جب گفت گو کی جاتی ہے تو تحریر وجود میں آتی ہے۔ تاؤ، تحریر کو انگیخت کرتا ہے اور تحریر، تاؤ کو جلا دیتی ہے۔ مافی الذہن، خیال ہوتا ہے جسے گفت گو میں بیان کیا جائے تو شاعری ہوتی ہے۔ کیا یہ وہی کام نہیں ہوتا جسے ہم حقیقت کو محفوظ کرنے کے لیے تحریر ترک کرتے وقت کرتے ہیں؟ تحریر تب وجود میں آئی جب دھاگے کی مدد سے پرندے کا خاکہ بنانے کی جگہ نقشہ کشی نے لی۔)

Liu نے نہ صرف تحریر کے تصور کو واضح کیا ہے، بلکہ تحریر میں ادبی چاشنی اور خوب صورتی کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا ہے، اس ضمن میں وہ کہتے ہیں:

Literary beauty means adoring the langue; but language's appropriateness and beauty is conditioned by inner feeling Therefore, feelings are the warp of literary patterns and

---

6– Aristotle, Ibid., 2 ; Florian Coulmas, Ibid.

7– Liu Hsieh, "The Literary Mind and the Carving of Dragons: A Study of Thoughts and Pattern in Chinese Literature", translated with an introduction and notes by Vincent Yu-Chung Shih (New York: Columbia University Press, 1959), 10-20.

linguistic forms are the woof of ideas. Only when the warp is straight, can the woof be formed; and only when the warp, the woof be formed, and only when ideas are definite, can linguistic forms be expressive. (8)

(ادبی حُسن سے مراد بول چال کو نکھارنا ہے، لیکن زبان کی موزونیت اور حسن داخلی احساسات کے ساتھ مشروط ہے۔ یہ احساسات ادبی نمونوں کا تانا اور لسانی شکلیں خیالات کا بانا ہوتی ہیں۔ جب تانا مستقیم ہوگا تو بانا کی تشکیل ممکن ہوگی اور جب خیالات متعین ہوں گے تو لسانی شکلیں معنی خیز ہوں گے۔)

Lui Hsieh ارسطو کی تحریر کے متعلق کی وضاحت کے ساتھ کئی لحاظ سے متفق ہے۔ ارسطو اس ذہنی سرگرمی کو جس کے نتیجے میں تحریر وجود میں آئی 'میلاناتِ رُوح' کہتا ہے Lui اس کو Nautuo کا نام دیتا ہے اس کے متعلق کہتا ہے: وہ امور جن کے بارے میں ذہن میں خیالات تشکیل پاتے ہیں۔ Things about which ideas are formed in the mind۔ تاہم Lui کی تحریر کے متعلق فکر میں ایک ایسا پہلو بھی ہے جس کی طرف ارسطو نے توجہ نہیں دی۔ اس بارے میں وہ کہتا ہے:

Writing is credited with a creation analytical potential: it illuminates the tao.(9)

(تحریر ایک تخلیقی و تجزیاتی جوہر سے متصف ہوتی ہے، یہ اس کو جلا بخشتی ہے۔)

پروفیسر Florian ارسطو اور Lui کی تعریفوں کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

While unambiguously places speech between ideas and written words. Liu Hsieh seems to concedes the that ideas are expressed poetically in speech or in writing, where the relationship between the two is not necessarily unidirectional.(10)

(لیو ہسیش تقریر کو خیالات اور مکتوب الفاظ کے درمیان غیر مبہم طور پر رکھتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ وہ یہ امکان تسلیم کرتا ہے کہ خیالات تحریر یا تقریر میں شاعرانہ طور پر بیان کیے جاتے ہیں، جہاں دونوں کے درمیان تعلق لازمی طور پر یک سمتی نہیں ہوتا۔)

ارسطو اور Liu نے تحریر کے چار عناصر یعنی Vocal, Signs, Concepts, Objects اور Graphical Sign کی نشان دہی تو کی، لیکن ان کے درمیان تعلق بیان کرنے میں دونوں کی آرا میں فرق ہے۔

8– Ibid.

9– Florian Coulmas, *Writing System*, 4.

10– Ibid., 4.

افلاطون نے زیادہ وضاحت کے ساتھ گفت گو، تحریر اور متکلم کے درمیان خلیج کی وضاحت کی ہے۔ افلاطون نے تحریر کا معنی منتقل کرنے کی صلاحیت سے زیادہ اہتمام کیا۔ اس کے خیال میں تحریر مصنوعی ذہانت کا ایسا آلہ ہے جو روح ہم دردی کے احساس کے خلاف ہے۔ وہ تحریر کی شکل میں سامنے آنے والے نئے علوم کے بارے میں تشکیک کا اظہار کرتا ہے۔[(۱۱)]

افلاطون کے خیال میں تحریر یادداشت کو برقرار رکھنے کا ذریعے ہے، لیکن یہ اس کلام کا متبادل ہرگز نہیں جو کہ متکلم وضاحت کے لیے ادا کرتا ہے۔ اس کے خیال میں کلام کے برعکس تحریر کے الفاظ خاموش ہوتے ہیں اور وہ کلام کی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ ان کی حیثیت مردہ کی سی ہوتی ہے جب تک کہ ان کو زبان سے ادا نہ کیا جائے۔[(۱۲)]

افلاطون کی تحریر پر تنقید کو مغربی فکر میں زیادہ اہمیت نہ حاصل ہو سکی؛ کیوں کہ ارسطو کی یہ فکر کہ تحریر زبانی بول چال کا اظہار ہے، کو وسیع پیمانے پر قبولیت حاصل ہوئی۔ تحریر کو روشن خیالی کے ذریعے کے طور پر مشرق میں بھی مقبولیت حاصل نہ ہوئی Zen[(۱۳)] کا نعرہ یہ تھا کہ .Written words are useless
(مکتوب الفاظ بے کار ہوتے ہیں۔)

Zen نے پیغام اور اس کے مصنف / قاری کے درمیان فاصلے پر احتجاج کیا۔ اس کے خیال میں روشن خیالی ایک ایسا عمل ہے جو اشاروں کا پابند نہیں ہے۔ بعض ماہرین کے خیال میں Zen کی فکر میں تحریر کے حوالے سے یک سوئی نہیں ہے اور اسی یک سوئی کا فقدان ارسطو کے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔[(۱۴)]

11– See: Florian, *Writing System*, 5 ; Plato, *The Dialogues of Plato* (428/27- 348/47 BCE) translated by Benjamins Jowett, Source of the Text, www.systenberg.net/etest98/chmds10.tet/

12– Florian, opict., 5.

۱۳– Zen بدھ ازم کا Mahayana فکری سکول ہے جو کہ Tang Dynasty کے دور میں Chan Buddhism کے طور پر پروان چڑھا۔ یہ فرقہ تاؤ ازم سے متاثر تھا۔ چین سے یہ فرقہ ویتنام، شمالی کوریا اور مشرقی جاپان میں ۲۰۰ سے ۵۰۰ عیسوی کے درمیان پھیلا۔ اس فرقہ کی تعلیمات کا مصدر Mahayana فکر ہے۔ Yogachara اس میں خاص طور پر معروف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: www.britannica.com /topic/zen

۱۴– دیکھیے:

Katsuki Sekida, *Zen Training: Methods and Philosophy* (Bostan & London: Shambhala, 2005); Florian, Writing System, 5.

یونانی اور مغربی تہذیب کی طرح قدیم مصری تہذیب میں بھی تحریر کے متعلق افکار موجود تھے، مصری تصویری تحریروں (Egyptian Hieroglyphs) میں تصویری جامعیت کے ساتھ چیزوں کو منظر عام پر لایا جاتا تھا۔ ان الفاظ کے ذریعے ابتدائی تعارف اس طرح کروایا جاتا ہے کہ نہ جاننے والے کو مکمل علم حاصل ہو جائے۔ اس ضمن میں محقق Gardiner لکھتے ہیں:

> Their litlo to be called vocabularies could be up held only the lists could be shown to refer primarily to words, rather than to things and that was clearly against the intention of compilers.(15)

(جنھیں ذخیرہ الفاظ کہا جاتا ہے، ان کی معاونت تبھی ہو سکتی ہے کہ جب وہ فہرستیں دکھائی جا سکیں، بنیادی طور پر چیزوں کے بجائے الفاظ کی طرف نشان دہی کر سکیں، اور یہ بات واضح طور پر تالیف کنندگان کے منشا کے خلاف تھی۔)

چیزوں اور تحریر کے اشاروں کے درمیان براہ راست تعلق تھا۔ ایک قدیم مصری نص میں جو کہ تخلیق کے بارے میں ہے اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کس طرح تصویری تحریریں مفاہم کی وضاحت میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اس ضمن میں Gardiner کہتے ہیں:

> And the whole multitude of hieroglyphs were created by was thought in the heart and dictated by the tong and thus was content he created all things and all hieroglyphs. (16)

(تمام مصری فن کتابت ان خیالات کی بنیاد پر تخلیق کیا گیا جو دل میں سوچے گئے اور زبان کے ذریعے املا کیے گئے اور اس طرح راستہ تمام اشیا اور مصری فنون کتابت تخلیق کیے گئے۔)

اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے Jan Assmann کہتے ہیں کہ قدرت کی تمام صورتوں کا اظہار انھی تصویروں کے حوالے سے ہی ہوتا تھا۔ (۱۷) گویا کہ الفاظ تصویروں کی صورت میں مظاہر کی تصویر کشی کرتے تھے۔ یہ وہی مقصد ہے جس کو آج کی تحریروں میں حروف ابجد کے ساتھ حاصل کیا جاتا ہے۔

15– Gardiner Alan, *Ancient Egyptian Onomastica* (Geoffrey Cambridge: Oxford University Press, 1947), 1: III.

16– Florian, *Writing System*, 8.

17– Assmann Jan, *Cultural Memary and Early Civilizations Writings, Remembrance, and Political Imagination*, (Cambridge, New York: Cambridge University Press, 2011), 20.

مزید برآں François Champollion نے ۱۸۲۲ء میں Resetta Stone کی مرموز عبارت کی تعبیر کے ذریعے یہ ثابت کر دیا کہ مصری تصویروں کو تحریر کی طرح پڑھا جا سکتا ہے، کیوں کہ اصل میں یہ تصویریں نہیں تحریریں ہیں۔ Massias نے اس فکر کو پروان چڑھایا کہ Phonetic Writing کا تحریر سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں تحریر صرف زبان کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ اس کا کردار اس سے زیادہ بڑھ کر بنیادی نوعیت کا ہوتا ہے۔ یہی وہ کردار ہوتا ہے جس کی وجہ سے ایک زبان کی تشکیل مکمل ہوتی ہے۔[۱۸]

مصری تصویریں Hieroglyphs ان چیزوں کے نمونے ہیں جو کہ دلی سوچ (Thought in Heart) کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اسی طرح Massias کی رائے میں زبان کے مختلف حصوں جیسے گرامر، ساخت اور گفت گو کا دائرہ عمل کی جڑیں بھی اسی سوچ میں ہیں جو دماغ میں ہوتی ہیں۔[۱۹]

مغرب میں ساڑھے دو ہزار سال کے بعد جب حروف ابجد کے ذریعے لکھنے کا رواج ہو گیا تو اس موقع پر انیسویں صدی عیسوی میں مشہور فرانسیسی مصنف Nicolde Messias نے ایک چھوٹی سی کتاب *The Inflaence of Writing on Thought and on Language* تحریر کی۔ اس قسم کی تحریروں کی وجہ سے یورپی فکر میں لکھنے کی اہمیت بڑھ گئی۔

موجودہ ماہرین لسانیات نے زبان اور تحریر کے درمیان تعلق پر کافی بحث کی ہے۔ ان کے خیال میں تحریر (Writing) لسانی رویے کا تعارف کرواتی ہے۔ اس لیے اگر تحریر موجود نہ ہو تو بہت سی زبانیں، جو آج موجود ہیں، نہ ہوں۔ تحریر، زبان کی فعال نمائندگی ہے۔ اس رائے کے برعکس ایک دوسری رائے یہ ہے کہ زبان انسانی فطرت کا بنیادی جزہے، جب کہ تحریر صرف ایک ٹیکنیک ہے اس لیے تحریر کے زبان پر اثرات اور ان کے باہمی روابط ایک پیچیدہ معاملہ ہے، جس کو ابھی مزید کھوجنے کی ضرورت ہے۔[۲۰]

۲- تحریر کا تاریخی ارتقا

18– Florian Coulmas, *Writing System; British Musium, The Rostta Stones* (London: British Musium Publication, 1971).

19– Ibid., 9.

20– Ibid., 10.

تحریر کو اگر تخلیق کردہ مرئی نشانات یا ابلاغ و تعبیر کے دیگر Use of created visual marks or other artefacts for communication and expression کے مفہوم میں لیا جائے تو اس کی تاریخ کئی ہزار سال پرانی نظر آتی ہے۔ Lascaux[21] اور Altamira[22] کی ہزاروں سال قدیم غاروں میں پائے گئے نقش و نگار، چین میں تقریباً ۱۰ر ہزار سال پرانی ہڈیوں پر موجود نقوش، تقریباً ۸ر ہزار سال قدیم Hittites کے مٹی کے خداؤں کے نمونے اور شمالی امریکہ کے اصلی باشندوں کے پتھروں پر بنے ہوئے تقریباً چار ہزار سال پرانے نقش درج بالا تعریف کی روشنی میں قدیم تحریروں کی نمائندگی ہی کرتے ہیں۔[۲۳]

ان ابتدائی قدیم تحریروں ہی سے ترقی کرتے ہوئے آج کی تحریر بہ طور جدید وسیلۂ اتصال وجود میں آئی۔ تحریر کی اسی اہمیت کے پیش نظر یہ کہا جاتا ہے کہ انسانی تاریخ اور تحریر کا کم و بیش ایک ہی وقت میں آغاز ہوا اس لیے تو کہا جاتا ہے کہ

> The degree of affectiveness of writing is proportional to the amount of energy expended in obtaining a given level of communication.[24]

۲۱- Lascaux کے غاروں کا ایک Complex فرانس کے گاؤں Montignac میں دریافت ہوا۔ ان غاروں میں ۶۰۰ کے قریب قدیم دور کی Wall Paintings دریافت ہوئی ہیں۔ بعض محققین کے خیال میں ان غاروں کی عمر ۱۷۰۰۰ سال قدیم ہے۔

۲۲- Altamira کی غار اسپین کے علاقے Cantabria میں دریافت ہوئی ہے۔ اس غار میں قدیم دور کی تصویریں ہیں جن کو اوّلین تحریریں کہا جاسکتا ہے۔ اس مقام کو UNESCO نے World Heritage Site قرار دیا ہے۔

23– David R. Olson, *The History of Writing*, Roger Board, Debra Myhill, Jeni Riley and Martin Nystrand (eds.), *The SAGE Handbook of Writing Development* (London: SAGE Publication, 2009), 6.

24– Giorgio Buccellati, *The Origin Of Writing And The Beginning of History*, Giorgio Buccellati & Charles Speroni (ed.), *The Shape of the Past: Study in Honor of Franklin D. Murphy* (Los Angeles: Institute of Archaeology and Office of the Chancellor, University of California, 1981), 4.

وسائل اتصال اور تحریر کا ارتقا تقریباً ایک ہم آہنگ تاریخی سفر تھا۔ جیسے جیسے تحریر کے اندر یہ قدرت پیدا ہوتی گئی کہ وہ زیادہ سے زیادہ پیچیدہ تفصیلات کو بیان کر سکے ویسے ہی اتصال اور معلومات کے منتقل کرنے کے عمل میں تیزی آگئی۔ ابتدائی تحریریں صرف اجمالی معلومات ہی منتقل کرتی تھیں، لیکن ترقی یافتہ تحریریں تفصیلی معلومات کے حصول کا ذریعہ بن گئیں۔[۲۵]

ابتدائی تحریریں تصویری علامتیں Pictographs تھیں اس کی ایک مثال درج ذیل تصویر ہے۔

تصویر نمبر ا: قبل از مسیح کے دور کی یہ قدیم تصویری تحریر (Dongba Symbols) پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز تبت میں Bon مذہب کے ماننے والوں نے کیا تھا۔ بعد میں Neyi نسل نے جنوبی چین میں ان کو اختیار کیا۔[۲۶]

25– Ibid., 5.

۲۶– قدیم تصویری تحریروں کا یہ نمونہ Han Zai Zi میں پائی گئی۔ یہ کتاب چینی فلاسفر Han Fai نے تحریر کی تھی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: www.historian.net/hxwrite.htm

Pictographys کی ایک مثال پتھروں پر نقوش وہ تصویریں ہیں جو وادی ہنزہ کے مقدس پتھروں پر موجود ہیں یہ پتھر شاہراہ قراقرم پر ہنزہ سے خنجراب کے راستے میں Haldeikish کے مقام پر دریائے ہنزہ کے بائیں کنارے پر موجود ہیں۔ چلاس کے مقدس پتھر ۱۵ میل کے علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (۲۷)

تصویر نمبر ۲: شاہراہ قراقرم وادی نینده میں مقدس پتھروں پر موجود نقوش کا عکس (۲۸)

27– UNESCO World Heritage list dated 31.12.1979, Indenlification No. 142, Nomination submitted by Pakistan about Rock Carving at the Sacred Rock of Hunza near Gilgit and Chilas, 1-6.

۲۸– چلاس کے مقدس پتھروں پر موجود یہ تحریریں راقم نے ادارے کے رفیق کار رستم خان کے ہمراہ ۹/اگست ۲۰۱۸ء کو عطاء آباد جھیل سے ہنزہ کی طرف سفر کرتے ہوئے دیکھیں اور ان کی تصویریں لیں۔ ان Pictographs کی تفصیلات پروفیسر احمد حسن دانی نے تیار کیں تھی۔ دیکھیے:

تصویری تحریریں (Pictographys) بعد میں ترقی کرتے ہوئے Ideographs یعنی تصویری رسم الخط میں تبدیل ہو گئیں۔ Ideographs سے مراد وہ اشارے ہیں جو کسی فکر کو پیش کرتے ہیں۔ آج کل سارے ٹریفک کے اشارے Ideographs کی بنیاد پر ہی تشکیل دیے گئے ہیں۔ قدیم Ideographys کی مثالیں درج ذیل جدول میں نمایاں ہیں۔

UNESCO World Heritage list dated 31.12.1979, Indenlification No. 142, Nomination submitted by Pakistan about Rock Carving at the Sacred Rock of Hunza near Gilgit and Chilas, 1-6.

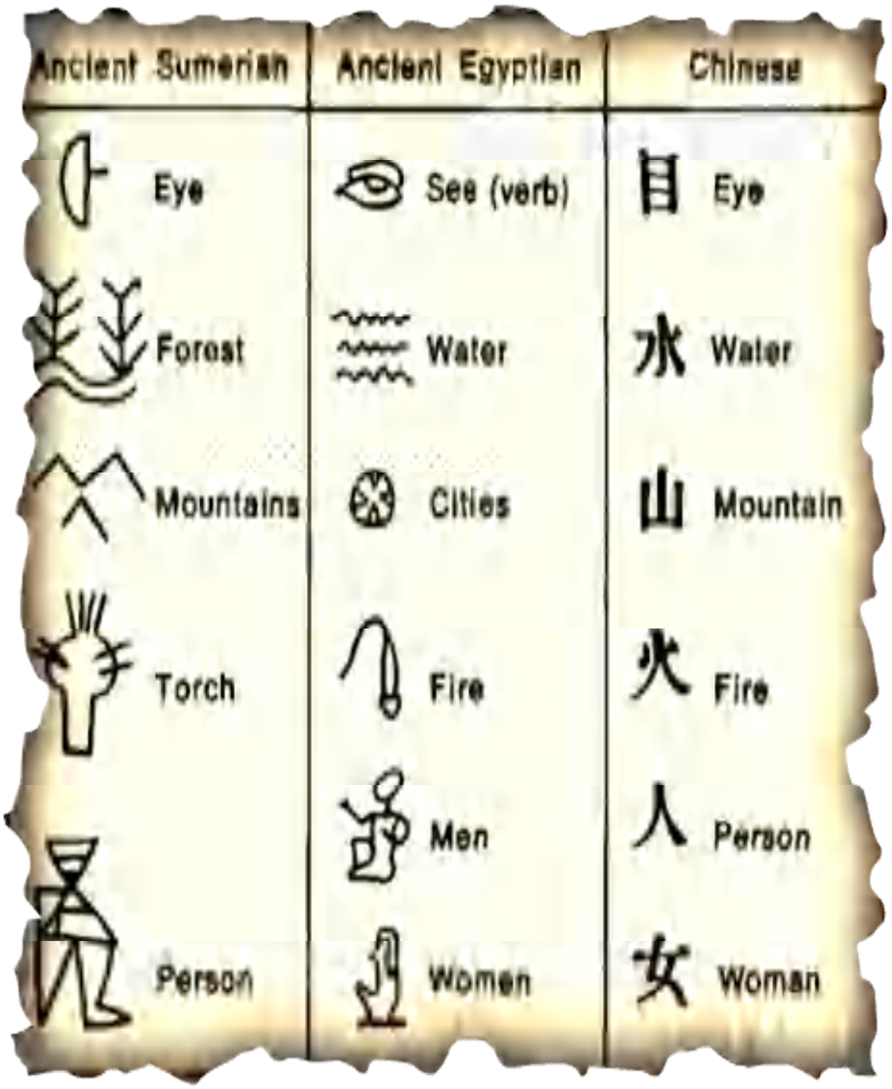

تصویر نمبر ۳:قدیم تصویروں Ideographys کے معاصر معانی(۲۹)

29– Ideographic Writing. (n.d.) *The Great Soviet Encyclopedia, 3rd Edition*. (1970-1979). Retrieved September 4 2018 from https:// encyclopedia2. thefreedictionary.com/Ideographic+Writing

تصویر نمبر ۴: Ideographs کے معاصر استعمال: میں انہیں Pictogran یا Pictograph کہا جاتا ہے اور اس سے مراد وہ تصویری اشارے ہیں جنہیں آج کل استعمال کیا جاتا ہے۔ ان اشاروں میں ایک تصور Concept کو ایک تصویر کے ذریعے واضح کیا جاتا ہے۔[۳۰]

تصویری رسم الخط ترقی کرتے ہوئے Logaraphs میں تبدیل ہو گیا۔ اس کے معنی علامتی لفظ یا رمز کے ہیں۔ Logoraphs لفظ اور تصویر کے درمیان کی ایسی صورت ہے جس میں تصویریں بہ تدریج الفاظ میں تبدیل ہوتی نظر آتی ہیں۔ اس رمزی تحریر کی مثال درج ذیل جدول میں موجود ہے۔

30– Archive for the 'Visual Communication' Category at https://lisettewillemsen.wordpress.com/category/visual-communication/ visited on September 9, 2018

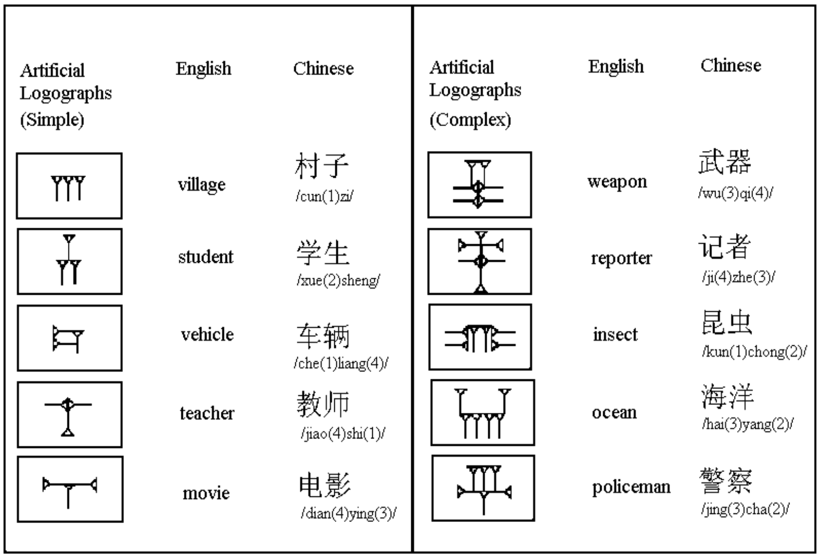

تصویر نمبر ۵: Logographs سے Syllable Characters کا سفر(۳۱)

Logographs بعد میں ترقی کرتے ہوئے Syllable Characters بن گئے جس کے معنی حروف کے ہیں۔ حرف کی تعریف انگریزی میں اس طرح کی جاتی ہے کہ

> A unit of pronunciation having one vowel or without surrounding consonants, forming the whole or a part of for example there are two syllables in water and three in inferno.[32]

Logaraphic اور Syllabic Writing کا مجموعہ Cuneiform تکون میں نظر آتا ہے۔ Cuneiform کے نتیجے میں ہجوں یا Alphabets کا دور شروع ہوا۔ بعض زبانوں میں تحریر کے لیے

31– Renata F. I. Meuter & John F. Ehrich, 'The Acquisition of an Artificial Logographic Script and Bilingual Working Memory: Evidence for L1-specific Orthographic Processing Skills Transfer in Chinese–English bilinguals,' *Writing Systems Research*, Volume 4, 2012 - Issue 1, Published Online: 22 Feb 2012, 8-29.

۳۲– تفصیل کے لیے دیکھیے:

En.oxfordictionaries.com/definition/syllables.

تصویری ہجے ہی استعمال ہوئے۔ اس کی مثال چینی زبان ہے جب کہ بعض زبانوں میں حروف ابجد کا ارتقا ہوا۔ Phoenicians تہذیب نے ۱۵۰۰ ق م کے قریب West Semitic Syllabry کا آغاز کیا۔ یہ حروف Hieroghgphics سے متاثر تھے۔ انھی Semitic حروف سے یونانیوں نے تقریباً ۹۰۰ قبل مسیح میں اپنے حروف کا استنباط کیا۔ یونانی حروف میں Consonants اور Vowels کا الگ الگ استعمال ہوتا تھا۔ یونانی حروف سے ہی رومیوں نے اپنے حروف ۶۰ ق م میں اخذ کیے۔ انھوں نے بعض یونانی الفاظ کو ترک کر دیا۔ کچھ کی ساخت میں تبدیلی کر دی اور کچھ الفاظ مختلف Sound کی نمائندگی کے لیے استعمال کرنے شروع کر دیے۔ حروف تہجی (Alphabets) کی ارتقا کو درج ذیل جدول کی مدد سے سمجھا جاسکتا ہے۔

Values	Hieroglyphic		Hieratic	Phœnician	Greek	Roman	Hebrew
a	eagle				A	A	א
b	crane				B	B	ב
k (g)	throne				Γ	C	ג
t (d)	hand				Δ	D	ד
h	mæander				E	E	ה
f	cerastes				Y	F	ו
z	duck				I	Z	ז
χ (kh)	sieve				H	H	ח
θ (th)	tongs				Θ	...	ט
i	parallels				I	I	י
k	bowl				K	K	כ
l	lioness				Λ	L	ל
m	owl				M	M	מ
n	water				N	N	נ
s	chairback				Ξ	X	ס

EGYPTIAN · SEMITIC · LATER EQUIVALENTS

تصویر نمبر ۶: حروف تہجی کے ارتقا کا جدول[۳۳]

درج ذیل خاکے سے مختلف زبانوں میں حروف تہجی کے اخذ وعطا کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

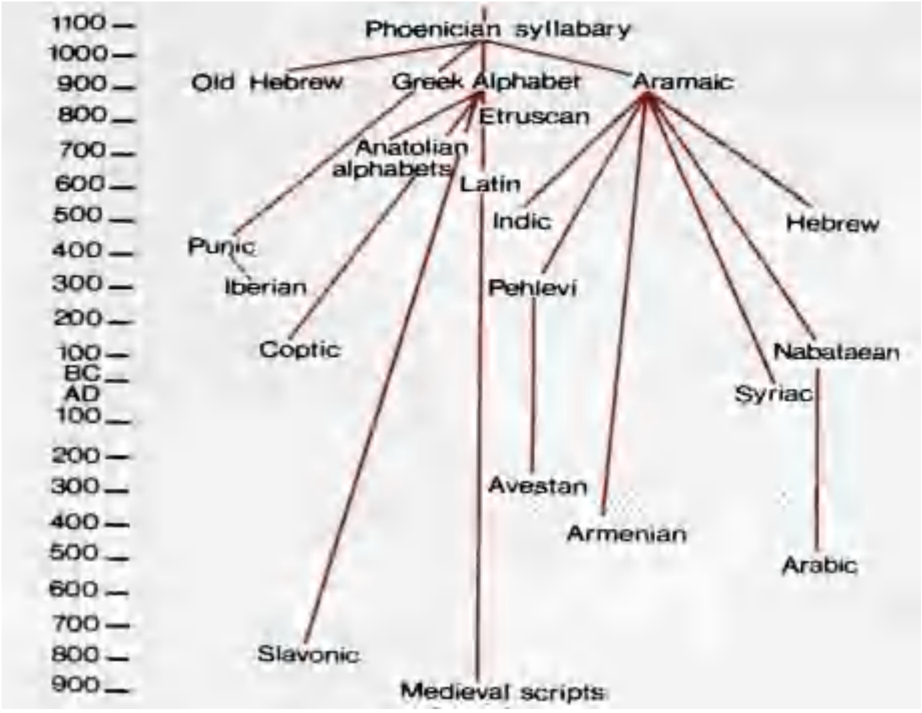

تصویر نمبر۷: مختلف زبانوں کے درمیان اخذ وعطا کا جدول[۳۴]

حروف تہجی کے ارتقا سے تحریر کے مختلف نظاموں Writing Systems کی ترقی کے عمل کو جانا جاسکتا ہے۔ مغربی تحریری نظاموں کی طرح ہی عربی زبان میں تحریر کا نظام منظم ہوا۔ عربی زبان کی تحریر حروف

33– source : http://atheism.about.com/od/ancientmythologyreligion/ig/Lebanon-Phoenician-Photos/Phoenician-Alphabet.htm)

34– See: Evolutionary Literacy Table at https://gensbeaux.blogspot.com/2017/03/silsilah-aksara.html, visited on September 9, 2018

ابجد کے اعتبار سے ہے۔ یہ نمبروں یعنی Numerical حروف کی نمائندہ زبان ہے اس لیے اس کو ابجد کہا جاتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت درج ذیل مثال سے ہوتی ہے۔[۳۵]

Table of Sequential & Gematrical Values of the Arabic Alphabet

Sequential Value	1	2	3	4	5	6	7	8	9	10	11	12	13	14
Arabic Letters	ا	ب	ج	د	ه	و	ز	ح	ط	ي	ك	ل	م	ن
English	alif	be	cim	dal	hé	vav	ze	ha	ti	ye	kef	lam	mim	nun
Gematrical Value	1	2	3	4	5	6	7	8	9	10	20	30	40	50

Sequential Value	15	16	17	18	19	20	21	22	23	24	25	26	27	28
Arabic Letters	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
English	sin	ayn	fe	sad	kaf	re	şin	te	se	hı	zal	dad	zı	ğayn
Gematrical Value	60	70	80	90	100	200	300	400	500	600	700	800	900	1000

تصویر نمبر۸: عربی حروف ابجد کی وضاحت[۳۶]

۳۵- تحریر کے مختلف مراحل کے ارتقا کے لیے دیکھیے:

Berry. J. and Bennett, J. 'Cree Literacy in the Syllabic Script', in Olson, D.R and Torrance, N. (Eds) *Literacy and Orality* (Cambridge: Cambridge University Press, 1991); David Diringer, *Writing* (London: Thames and Hudson, 1962); David Diringer, *The Alphabet: A Key to the History of Mankind* (New York: Funk & Wagnalls, New York, 1968) ; Gaur, Albertine, *A History of Writing* (London: British Library, 1987); Larsen, M.T. *'What they Wrote on Clay'*. In Schousboe, K. and Larsen, M.T (eds), *Literacy and Soceity* (Centre for Research in the Humanities (Copenhagen: Copenhagen University, 1989); Scholes, R. J and Willis, B.J. On the Orthographic basis of Phonemic Segments in Linguistic Competence and Performance, Languages Sciences, 1990, 12, 331-343.

36– What is Abjad ?

Every letter in the Arabic Alphabet has a numerical (Geometrical) value, A number of calculations can be made from this basis, These are referred to as numerological (Abjad) calculations.

Source: http://imamadi83en.blogspot.com/2012/05/bring-forth-chapter-like-qurans -surah.html visited on September 4, 2018.

۳۔ حروف ابجد کی تشکیل

عربی حروف تہجی کے ارتقا سے مراد عربی تحریر اور زبان کا ارتقا ہے۔ کسی زبان کی جامع اور شامل تعریف کے کئی پہلو ہیں۔ کسی تعریف میں لہجے کو الگ زبان کے طور تسلیم کیا گیا ہے اور کسی میں مختلف لہجوں کے ایک مجموعہ کو ایک زبان (Language) کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ عربی زبان بھی ایک ایسی ہی زبان ہے جس کے کئی لہجے ہیں لیکن اللغة العربية الفصحى ایک ہی ہے اور چوں کہ یہ تمام لہجے اس بنیاد سے متعلق ہیں، اس لیے ان تمام لہجوں کو عربی زبان کے جز کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ لہجے کے لیے انگریزی میں Dialect کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اور اس کی تعریف اس طرح ہے:

> Dialect is also a term that is often applied to forms of particularly those spoken in more peripheral parts of the language territory which have no written form and or power. And dialects are also often regarded as some Kind of (often erroneous) deviation form a berration of a correct or accepted standard form of language. [37]

(لہجہ بھی ایک اصطلاح ہے جسے زبانوں کی شکلوں پر منطبق کیا جاتا ہے خاص طور پر وہ جو زبان کے حاشیائی حصوں میں بولی جاتی ہیں، جن کی تحریری شکل یا تطبیقی طاقت نہیں ہوتی۔ لہجوں کو اکثر زبان کی کسی انحرافی صورت کی صورت میں دیکھا جاتا ہے۔)

کسی بھی زبان کے کئی لہجے ہو سکتے ہیں۔ ان لہجوں کو زبان کی ذیلی تقسیم بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس کی کئی مثالیں ہیں، جیسا کہ فرانسیسی زبان کا Parisian لہجہ، انگریزی زبان کا Lancashire لہجہ اور جرمن زبان کا Bavarian لہجہ۔ کسی بھی زبان کا تجزیہ کرنے کے لیے لہجے اور زبان Language کے درمیان فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ زبان کی ایک تعریف حسب ذیل ہو سکتی ہے جس کے ذریعے لہجے اور زبان میں فرق بھی سمجھ آجاتا ہے اور زبان یعنی Language کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے۔

37– Muhammad al-Sharkawi, *History and Development of the Arabic Language*, from *Pre- Islamic Times to the Age of Conquests* (London and New York: Routledge, 2017) XV; J.K Chambers and Peter Trudgill, *Dialectology* (Combridge: Combridge University Press, 1998), 3.

A Language is a collection of mutual intelligible dialects.[38]

(زبان قابل تفہیم لہجوں کے مجموعے کا نام ہے۔)

اس تعریف کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے لہجے کو ایک زبان کے ذیلی حصے کے طور پر سمجھا جاتا ہے اور اسی تفہیم کی بنیاد پر ایک زبان کا دوسری زبانوں کے ساتھ فرق سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس بنا پر جب عربی زبان کی تعریف کی جائے گی تو اس میں اللغة العربية الفصحى بھی شامل ہو گی اور اس کے مختلف لہجے بھی شامل ہوں گے۔

عربی الفاظ، گرامر اور ہجوں میں مختلف سامی زبانوں کے اجزا شامل ہیں۔ محققین کا خیال ہے کہ عربی کے حروف ابجد نبطی زبان سے ماخوذ ہیں، جب کہ نبطی حروف پر آرامی (Aramaic) حروف کے اثرات ہیں۔ آرامی حروف تہجی فینیقی زبان سے متاثر تھے۔ جب کہ ان کا تعلق عبرانی حروف تہجی اور یونانی حروف تہجی سے تھا۔ ۶/ق م اور ۵/ق م میں بعض عربی قبائل نے ہجرت کی اور موجودہ اردن کے علاقے پیٹرا میں ریاست قائم کر لی چوں کہ ان قبائل کے زیر استعمال نبطی زبان تھی اس لیے ان کو نبطی قبائل کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ دوسری قبل مسیح اور پہلی قبل مسیح میں نبطی حروف تہجی کو آرامی زبان میں لکھا جاتا تھا؛ کیوں کہ اس وقت یہی زبان بات چیت اور تجارت کی زبان تھی۔ اسی دور میں اس میں عربی زبان کی کچھ خصوصیات بھی منفرد طور پر سامنے آئیں۔ نبطی جو زبان بولتے تھے اس کو لکھتے نہیں تھے اور لکھنے میں وہ آرامی حروف کو ہی استعمال کرتے تھے۔ یہی آرامی حروف بعد میں ارتقائی عمل سے گزرتے ہوئے عربی زبان کے الفاظ بن گئے۔[۳۹]

بعد کے ارتقائی مراحل میں عربی زبان دوسری زبانوں سے مختلف اپنا تشخص اختیار کرتی گئی۔ اس زبان نے اپنی صوت و نغمگی کو ترقی دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربی نثر اور عربی شاعری میں ترقی شروع ہو گئی اور عربی زبان بہ تدریج ایک تحریری زبان کے طور پر ارتقائی منازل طے کرنے لگی۔ کہا جاتا ہے کہ قدیم ترین عربی تحریر جو کہ ابھی موجود ہے، ۵۱۲ عیسوی کی ہے۔ اس ابتدائی دور میں دوسری زبانوں کی طرح عربی

38– J.K Chambers and Trudgill, Ibid., 3 ; Al-Sharkawi, opcit. XV.

39– Gruendler Beatrice, *The Development of the Arabic Scripts: From the Nabatean Era to the First Islamic Century According to Dated Text* (Michigan: Scholars Press, 1993), 1-10; John Healey, Rex Smith, *A Brief Introduction to the Arabic Alphabet* (London: SAQI, 2009).

شاعری ترقی کرنے لگی۔ عربی شاعری کو جانچنے کا ذریعہ عربی نثر بنی اور عربی ایک تحریری زبان کے طور پر ابھرنے لگی۔

قبل از اسلام کی عربی شاعری کی بنا پر اسلام سے پہلے ہی عربی زبان ایک تحریری زبان کے طور پر تسلیم ہو چکی تھی۔ عربوں کی زبان دانی دراصل ان کی تہذیب کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ ہر تہذیب کسی خاص میدان میں نمایاں کارناموں کی وجہ سے تاریخ کا حصہ ہے، جب کہ عرب تہذیب کا قابل فخر کارنامہ اس کی زبان دانی میں مہارت تھی۔ قرآن پاک کے نزول اور عربی کے بہ طور مذہبی زبان اختیار کیے جانے کی وجہ سے یہ زبان اور زیادہ اہمیت اختیار کر گئی۔ اس زبان کی صحت اور فصاحت کو برقرار رکھنے اور اس کے قواعد وضوابط کو مدوّن کرنے میں دسویں صدی عیسوی میں صرف اور نحو کے ماہرین کی کئی نسلوں نے اپنا حصہ ڈالا اور اسے ایک ترقی یافتہ مقام تک پہنچایا۔[۴۰] قرآن پاک کی وجہ سے قبل از اسلام عربی شاعری اور نثر کے الفاظ بھی محفوظ ہو گئے، کیوں کہ یہ الفاظ قرآن کی نص میں شامل تھے۔ وہ الفاظ جو عربوں کی یادداشت کا حصہ تھے، ان الفاظ میں وحی نازل ہوئی تو ان الفاظ کے معدوم ہونے کا امکان ختم ہو گیا۔[۴۱]

دسویں صدی عیسوی میں صرف ونحو کی تدوین کے باوجود عربی زبان کے مختلف لہجے کسی نظم میں شامل کیے جانے کی توجہ نہ حاصل کر سکے۔ بارھویں صدی عیسوی میں عربی ماہرین لسانیات نے اس طرف توجہ کی، چناں چہ عربی گرامر اور لہجوں کے متعلق ایسی کتابیں تحریر کی گئیں جن کا مقصد قرآن پاک کی زبان دانی اور فہم کو مزید ترقی دینا تھا۔[۴۲] عربوں نے جب فتوحات شروع کر دیں تو دوسری زبان سے عربی زبان کا ملاپ شروع ہوا جس کے نتیجے میں لہجوں کے بجائے عربی لحن کا استعمال زیادہ مؤثر ہو گیا؛ چناں چہ سولھویں صدی عیسوی کا عربی ادب لحن کی نمائندگی کرتا ہے۔

۴۔ عربی زبان میں تحریر کا ارتقا

40– al-Sharkawi, Ibid., XII; Owens, J. History; *The Oxford Handbook of Arabic Lauguistic* (Oxford: Oxford University Press, 2013), 452-453.

41– Sharron Gu, *A Cultural History of the Arabic Language* (London, Jefferson and North Carolina; Mcfarland S Company, INC, 2014).

42– Baalbabi, "Arabic Languistic Tradition 1: Na╒w and ╗arf', *The Oxford Handbook of Arbaic Languistic*" ed. J.owens (Oxford: Oxford University Press, 2013), 91-114.

عربی زبان میں تحریر یعنی Writing کے لیے الکتابۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ کتب سے مشتق ہے اور اسی سے کتاب اور کتب بہ طور جمع استعمال ہوتا ہے۔ جب ایک تحریری مجموعہ تیار ہو جائے تو اسے کتاب کہا جاتا ہے۔ کتابت یعنی تحریر کرنا ایک فن ہے۔ یہ اسی طرح کا ہنر ہے جیسا کہ کپڑے سینا اور رنگ سازی کا کام کرنا؛ تاہم اس فن میں دوسرے فنون کے مقابلے میں زیادہ فکری استعداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی اپنی تحریر خود لکھتا ہے اور کوئی دوسرے کی تحریر لکھتا ہے اور کوئی کسی کی پہلے سے لکھی ہوئی تحریر کو دوبارہ لکھ کر اس کا ایک دوسرا نسخہ تیار کر دیتا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اکتتب فلان فلانًا أي سأله أن يكتب لي كتابًا في حاجة واستكتبه الشي استملأه وكذلك استكتبه واكتتبه كتابه واكتتبه كتبته.[۴۳] اردو زبان میں بھی کتابت کا لفظ تحریر کرنے لکھنے یا لکھانے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی مفہوم میں اردو میں کاتب کے علاوہ محرر، نقل نویسی، نوشت اور کاپی نویس کی اصطلاحات بھی استعمال ہوتی ہیں۔[۴۴] انھی مختلف مفاہیم میں یہ لفظ قرآن پاک اور احادیث رسول ﷺ میں متعدد جگہ پر استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾[۴۵]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

﴿وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ﴾[۴۶]

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ﴾[۴۷]

۴۳۔ ابن منظور الافریقی محمد بن مکرم، **لسان العرب** (بیروت: دار صادر)، ا: ۶۹۸۔

۴۴۔ مولوی فیروز الدین، **فیروز اللغات اردو جامع** (راولپنڈی: فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۶۴ء)، ۹۱۵۔

۴۵۔ القرآن ۲۵: ۵۔

۴۶۔ القرآن ۷: ۱۴۵۔

۴۷۔ القرآن ۲: ۲۸۲۔

کتابت یا کتب کا لفظ کئی احادیث میں بھی وارد ہوا ہے۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ پہلے رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کے علاوہ چیزیں لکھنے سے منع فرمایا تھا جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:"لاتکتبوا عني غیر القرآن."[۴۸]

ابن اثیر کی رائے یہ ہے کہ اس ممانعت کو بعد میں ختم کر دیا گیا تھا؛ کیوں کہ یہ ثقہ بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعد میں لکھنے کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ ممانعت حدیث نہ لکھنے کی نہ تھی، بلکہ اس کا مطلب ایک ہی صفحے پر قرآن اور حدیث کو یک جا نہ لکھنا تھا۔[۴۹]

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے اور نزول قرآن سے پہلے عربی زبان ایک ایسی ترقی یافتہ زبان کی حیثیت اختیار کر گئی جس میں تحریر و تقریر کی روایت واضح طور پر پختہ ہو گئی تھی، لیکن ابتدائی طور پر عربی تحریر کی نہیں بلکہ گفت گو کی زبان تھی، اس لیے یہ مناسب ہو گا کہ اس کا مختصراً ذکر کر دیا جائے کہ عربی زبان میں تحریر یعنی کتابت کا کیسے ارتقا ہوا۔ قبل از مسیح کے پہلے ہزار سال میں جزیرۃ العرب کے مغربی حصے میں کئی ایسی ثقافتیں پروان چڑھیں، جن میں لکھنے کا رواج ہوا۔ لکھنے کا رواج مستقل آباد قبائل سے زیادہ بدو قبائل میں ہوا، لیکن ابتدائی تحریریں صرف وقت پاس کرنے کے لیے لکھی گئیں۔ یہ تحریریں قبل از اسلام کے ادوار میں ہی ضائع ہو گئیں۔ مغربی اور شمالی جزیرۃ العرب میں جو تحریری مواد تھا اس میں عربی زبان میں تحریر کی گئی چیزیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ غالباً بہت ہی کم مواقع پر عربی زبان میں اس وقت موجود طرز میں کچھ لکھا جاتا تھا۔ متاخر قدیم دور میں نبطی طرز بہ تدریج ختم ہوتا گیا اور اس کی جگہ آرامی طرز میں عربی زبان کو لکھا جانے لگا۔ اسی طرز نے آخر میں عربی زبان کو تحریری زبان بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ متاخر قدیم دور میں عربی زبان میں آرامی طرز میں یادداشتیں، تجارتی وثائق، معاہدات اور خطوط وغیرہ تحریر کیے جاتے تھے، لیکن اس دور میں شاعری اور

۴۸۔ ابو مسلم بن الحجاج القشیری، **صحیح مسلم**، کتاب الحج، باب تحریم مکة وصیدها (بیروت: دار إحیاء التراث العربي)، ۲: ۹۸۸، رقم ۴۴۷۔

۴۹۔ ابن منظور، **لسان العرب**، ۱: ۶۹۹۔

ثقافتی تحریروں کے لیے یہ زبان استعمال نہیں ہوتی تھی۔ ثقافتی معلومات اور شاعری زبانی روایت سے ہی منتقل ہوتی تھیں اور یہ اسلوب اسلامی دور کی ابتدا تک جاری رہا۔(۵۰)

شمالی مغربی عرب علاقوں میں، جو کہ آج کل اردن اور شام میں شامل ہیں، بہت سے لوگ یونانی زبان بولتے تھے۔ یہ زبان چوتھی صدی عیسوی میں اس علاقے کی مذہبی زبان بن گئی۔ تاہم پانچویں صدی عیسوی میں کئی لوگوں نے آرامی زبان کو بہ طور مذہبی زبان اختیار کر لیا۔ ان دونوں زبانوں کو عمومی زبان کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ عرب قبائل علاقائی لہجے بھی عام گفت گو کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اس دور کے لوگ مختلف زبانیں مختلف مقاصد کے لیے استعمال کرتے تھے اور ان میں سے کچھ زبانیں تحریر کے لیے استعمال ہوتی تھیں اور کچھ نہیں۔ عربی زبان ذاتی ناموں کے علاوہ تحریر کے لیے استعمال نہیں کی جاتی تھی۔(۵۱) زیادہ تر عرب اور خاص طور پر مغربی جزیرہ العرب کے قبائل ان پڑھ تھے۔ اس تجارتی علاقے کے ٦ق م کے آثار قدیمہ بتاتے ہیں کہ اس علاقے میں بہت محدود سطح پر پڑھنے لکھنے کا رواج تھا۔(۵۲)

قبل از اسلام کی تحریری عربی کو جاننے کے حوالے سے تین امور یعنی لکھنے کا مواد، تحریر کے مندرجات اور لکھنے والے یعنی کاتبوں کو جاننا بہت ضروری ہے۔ آثار قدیمہ بتاتے ہیں کہ شمالی اور جنوبی جزیرۃ العرب میں لکھنے کے لیے پتھروں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ لکڑی کے تختے اور کھجور کے پتے بھی اس مقصد کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ مٹی کے برتن اور لوہے کے ٹکڑے بھی عربی زبان لکھنے کے لیے استعمال کیے گئے۔ اس متاخر قدیم زمانے میں چمڑے اور کپڑے پر عربی تحریروں کا زیادہ ثبوت آثار قدیمہ سے نہیں ملتا۔(۵۳)

50– Mac Donald M. "Ancient Arabia and the Written word, The Development of Arabic as a Written Languages: Supplement to the Proceedings of the Seminar for Arabic Studies (ed) M. Mac Donald (Oxford: Archaeo Press, 2010), 5-18.

51– Kanauf Ernst Exel, Arabo-Aramaic and 'Arabiyy': from Ancient Arabic to Early Standard Arabic 200 CE- 600 CE; A. Neuruirth, N. Sinai and M. Marx, *The Quran in Context: Historical and Literary Investigation* (Leiden: Brill, 2010) 197-254.

52– Stein Reter, *Literacy in Pre- Islamic Arabic: An Analysis of the Epigraphic Evidence*, Ibid., 255-260.

53. Stein, Ibid., 257-262. Al SharKawi, 221.

قبل از مسیح دور سے لے کر پانچویں صدی عیسوی تک تحریر لکھنے کے وسائل لکھنے میں مدد و معاون نہیں تھے۔ اس دور میں تحریر کے لیے نقش و نگار بنانے اور پتھروں کو کھرچنے جیسے اسالیب کو اختیار کیا جاتا تھا۔ سیاہی اور رنگ کے استعمال کی اس دور میں گواہی نہیں ملتی چوں کہ یہ تحریریں کم یاب اور بہت کم تعداد میں تھیں، اس لیے وہ کسی ثقافت کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرتی نظر نہیں آتیں۔(۵۴)

اس دور کی تحریروں کے متن میں روزمرہ کی چیزوں سے متعلق عبارتیں بھی ہیں اور غیر دنیاوی امور سے متعلق نصوص بھی ہیں۔ دنیاوی امور پر لکھی گئی زیادہ تحریریں قانونی اور تجاری نوعیت کی تھیں۔ ان میں ایسی تحریریں بھی تھیں جو یا تو رسیدیں تھیں یا پھر خطوط اور مراسلات تھے۔ اس طرح بادشاہوں کے حکم نامے اور ان کی طرف سے نافذ کی گئی ممانعتیں بھی ان تحریروں میں شامل تھیں۔ یہ تحریریں پتھروں، کھجور کے پتوں اور لکڑی کے تختوں پر تحریر کی جاتی تھیں۔

قبل از مسیح کے آخری ادوار کی ذیل کی دریافت شمال مشرق اردن سے ہے۔ یہ قبل از اسلام کی یونانی حروف میں لکھی گئی عربی کی مثال ہے۔ یہ تحریر عربی لہجوں کی قدیم مثال ہے۔

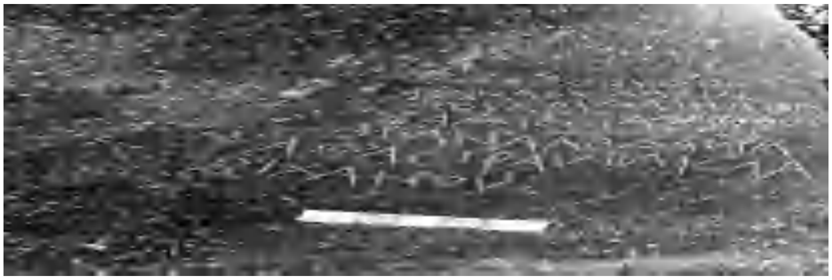

تصویر نمبر۹: قبل از مسیح کی عربی تحریر کا عکس پتھر پر کندہ اس تحریر کا معاصر مفہوم کچھ اس طرح ہے:

'Aws son of 'uḏ son of Bannā' son of Kazim came from Sī' to spend winter with Bannā' in this place and they pastured on fresh herbage during Kānūn'(55)

۵۴– دیکھیے: علی الجندي، في تاريخ الأدب الجاهلي (قاہرہ: مکتبة دار التراث، ۱۹۹۱ء)، ۱۱۳۔

55– Al-Jallad Ahmad & al-Manaser ,New Epigraphica from Jordan I: a pre-Islamic Arabic inscription in Greek letters and a Greek inscription from north-eastern Jordan, Arabian Epigraphic Notes 1, 2015.,: 51–70; Al-Jallad Ahmad, *The Word, the Blade, and the Pen: Three Thousand Years of*

تصویر نمبر ۱۰: قبل از اسلام عربی تحریر قبل از اسلام کی تحریر کا یہ نادر نمونہ شام کے شہر حلب میں دریافت ہوا ہے۔ اس سہ زبانی نمونے کے دائیں جانب سریانی زبان میں تحریر ہے جب کہ بائیں جانب یونانی زبان میں تحریر ہے جب کہ نیچے عربی زبان میں تحریر ہے۔ یہ نمونہ ۵۱۲ عیسوی کا ہے۔[(۵۶)]

اہم عسکری نوعیت کی کام یابیوں کی تحریریں بھی پتھروں پر کندہ پائی جاتی ہیں ۔ شمالی عرب میں عام زندگی میں لکھنے کا رواج تھا، لیکن عمومی طور پر جزیرۃ العرب میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی؛ تاہم جو لوگ لکھتے تھے وہ بہت ماہر تھے اور اپنے فن میں یکتا تھے۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ ان کو اس فن کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔ تحریروں میں معیاری جملے اور الفاظ کا یکساں استعمال ہوتا تھا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ کاتب پیشہ ور تھے اور یہ کوئی انفرادی خصوصیت نہ تھی۔[(۵۷)] قدیم شہادتوں سے پتا چلتا ہے کہ قبل از اسلام میں عربی زبان نہ صرف بولی جاتی تھی بلکہ اس کو تحریری زبان کی حیثیت بھی حاصل ہو چکی تھی اور ایک روایت کے مطابق آغاز اسلام کے موقع پر مکہ میں سولہ، سترہ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔[(۵۸)]

عام طور پر قبل از اسلام کے عربی ادب، جس کو جاہلی ادب بھی کہا جاتا ہے، میں ادبی فصاحت اور شاعرانہ عروج موجود تھا، لیکن اس سارے ادب کا دار و مدار حافظے اور زبانی روایات پر ہی تھا؛ چناں چہ شعرا نہ صرف اپنے شعر یاد رکھتے تھے، بلکہ دوسروں کے کلام کو بھی حفظ کر لیتے تھے، لیکن عمومی طور پر لکھنے کا رواج

Arabic (book preview) http://aljallad.nl/the-word-the-blade-and-the-pen-three-thousand-years-of-arabic -book-preview/

56– Saifulla, M. S. M.; Ghuniem, Muhammad; Zaman, Shibli. From Alphonse Mengana to Christoph Luxenberg: Arabic script and the alleged Syriac Origins of the Qur'an. Islamic Awareness. http://www.islamic-awareness.org; Abulhab, Saad D. "Roots of Modern Arabic Script: From Musnad to Jazm." *Quarterly Sawt Dahesh*, 50-51 (2007-2009).

57. Al Sharkawi, 222.

۵۸– دیکھیے: احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری، فتوح البلدان (بیروت: دار و مکتبۃ الهلال، س ن)، ۴۵۳۔

آہستہ آہستہ ہی شروع ہوا۔ اہل یمن کے ہاں قریباً ایک ہزار ق م کی عربی تحریروں کے نقش پائے گئے ہیں۔ شمالی عربوں کے ہاں آرامی زبان کے خط میں لکھے ہوئے تقریباً ۳۲۸ق م کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ قبل از اسلام کے زمانے میں عربوں کے ہاں خاص طور پر معاہدات اور مواثیق کو لکھنے کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ ان معاہدات کو پھاڑ کر دو حصوں میں تقسیم کر لیا جاتا تھا، تاکہ ہر فریق ایک حصہ اپنے پاس رکھ لے اور بوقت ضرورت دونوں حصوں کو ملا کر معاہدات کو پڑھ لیا جاتا تھا۔ بعض اوقات ان معاہدات کو کعبے کے دروازے پر بھی لٹکا دیا جاتا تھا؛ چناں چہ اس کی ایک مثال معاہدہ قطع تعلقات ہے جو بنی ہاشم کے خلاف تھا اور اس کو کعبے کے دروازے پر لٹکا دیا گیا تھا۔[۵۹] جاہلی دور میں جب معاہدات تحریر کیے جاتے تھے تو اس پر باقاعدہ تقریبات منعقد ہوتی تھیں۔ اس موقع پر شراب میں خون ملا کر پی جاتی تھی۔[۶۰]

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل عربی زبان ایک تحریری زبان کی حیثیت حاصل کر چکی تھی۔ نزول قرآن کی زبان چوں کہ عربی ہونا تھی اس لیے اس زبان کے اندر نزول قرآن سے پہلے ہی وہ صلاحیت پیدا ہو گئی تھی جس کی بنیاد پر اس زبان نے وحی الٰہی کو اپنے اندر سمونا تھا اور اسے محفوظ کرنا تھا۔

کتابت کا لفظ قرآن پاک میں کئی مرتبہ استعمال ہوا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾[۶۱]

کتابت کی اسی اہمیت کے پیش نظر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قیدوا العلم بالکتابة.[۶۲]

۵۹– دیکھیے: محمد بن عبدالملک ابن ہشام، السیرة النبویة (بیروت: دار الجیل)، ۲: ۳ ؛
Hamidullah Muhammad, *Muslim Conduct of State* (Lahore: Sheikh Asharaf Sons, 1973), 56.

۶۰– دیکھیے: احمد ابو یعقوب بن جعفر الیعقوبی، ت ۲۹۲ھ / ۹۰۵ء، **تاریخ الیعقوبي** (بیروت: دار بیروت للطباعة والنشر، ۱۹۷۰ء)، ۱: ۲۸۸۔

۶۱– القرآن ۷: ۱۴۵۔

۶۲– عبد الرحمٰن عبد الرحمٰن بن الفضل الدارمی، **السنن**، المقدمة، باب من رخّص في كتابة العلم (بیروت: دار الکتب العربي، ۱۹۸۹ء)، ۱: ۱۳۸۔

لکھنا انبیا کا پیشہ ہے اور اس کی بہت اہمیت ہے۔ اس لیے روایت ہے کہ حضرت علیہ السلام حضرت ابر علیہ السلام کے لیے لکھا کرتے تھے، جب کہ حضرت یو علیہ السلام، عزیز مصر کے لیے لکھا کرتے تھے۔ اسی طرح روایت ہے کہ یحییٰ بن علیہ السلام، حضرت علیہ السلام کے کاتب تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت ہا علیہ السلام اور حضرت علیہ السلام حضرت علیہ السلام کے کاتبین میں سے تھے۔(۶۳)

آغاز اسلام میں عربی لکھنے کا وہی طریقہ تھا جو قبل از اسلام کے عربوں کے ہاں مروج تھا۔ Hopkins نے اسلامی فتوحات کے ابتدائی ۵۰ سال کی دستاویزات کو جمع کیا ہے۔ ان دستاویزات میں خطوط، معاہدات، تجارتی وثائق شامل ہیں۔ یہ وثائق بتاتے ہیں کہ اس دور میں وہی عربی تحریر رائج تھی جو قبل از اسلام عربوں کے ہاں مروج تھی۔ ۶۹۶ عیسوی میں عربی زبان میں جو انقلابی اصلاحات ہوئیں، انھوں نے البتہ قبل از اسلام کی عربی زبان کی تحریر میں کافی تبدیلیاں کیں۔(۶۴) اس دور تک مفتوحہ علاقوں میں مقامی زبانیں رائج تھیں اور کئی علاقوں میں یونانی اور لاطینی زبانیں استعمال ہوتی تھیں۔ یہ زبانیں وہاں سماجی اور انتظامی زبانوں کی حیثیت سے مروج تھیں۔ ۶۹۶ عیسوی کے بعد ان زبانوں کی جگہ عربی نے لے لی اور عربی تحریر کو انتظامی، سماجی اور سیاسی مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جانے لگا۔ اس طرح عربی زبان اسلامی ریاست کی انتظامی زبان کی حیثیت اختیار کر گئی۔ عربی زبان کی ترقی اور ترویج میں نزول قرآن کی مرکزی حیثیت ہے۔ اسی نے عربی زبان کو ایک ترقی یافتہ اور متمدن تحریری زبان بنا دیا۔

قرآن پاک کا نزول شروع ہوا تو فوراً ہی اس کی تحریر کا انتظام بھی کر دیا گیا۔ اگرچہ قبل از اسلام کے دور میں عربی لکھنے والے کاتب محدود تعداد میں موجود تھے، لیکن ان کاتبوں کو ادارتی حیثیت نزول وحی کے بعد ملی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کام کے لیے ایسے جید صحابہؓ کا انتخاب فرمایا جو لکھ پڑھ سکتے تھے۔ ان صحابہؓ کو کتاب الوحی ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ کتاب الوحی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف وحی لکھتے تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے لیے

۶۳- الاسعد بن مماتی، کتاب قوانین الدواوین (قاہرہ: مكتبة مدبولي، ۱۹۹۱ء)، ۴۰۔

64. Hopkins, Simon, *Studies in the Grammar of Early Arabic*, Oriental Service Vol. 37, (Oxford: Oxford University Press, 1984); Heidemann Stefan, '*The Evolving Representation of the Early Islamic Empire and Its Religion on Coin Eagerly*', A. Neuwirth, M.Sinai and M. Marx (eds.), *The Quran in Context*: Historical and Literary Investigation, (Leiden: Brill. 2010) 149-196; al-Sharkawi, *History and Development of the Arabic Language*. 222.

معاہدات اور خطوط بھی تحریر کرتے تھے۔ کتاب الوحی کی تفصیل حدیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ (٦۵)

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ نامہ مبارک بیزنطینی بادشاہ کو ۲ یا ۳ ہجری میں تحریر کیا گیا تھا۔ یہ خط حضرت دحیہ بن خلیفہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بہ طور سفیر رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لے کر گئے تھے۔ اس خط کے اصل نسخے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ایک یمنی خاندان کے پاس تھا۔ اس کے حروف تہجی مسند اسلوب میں تحریر کردہ ہیں۔ (٦٦)

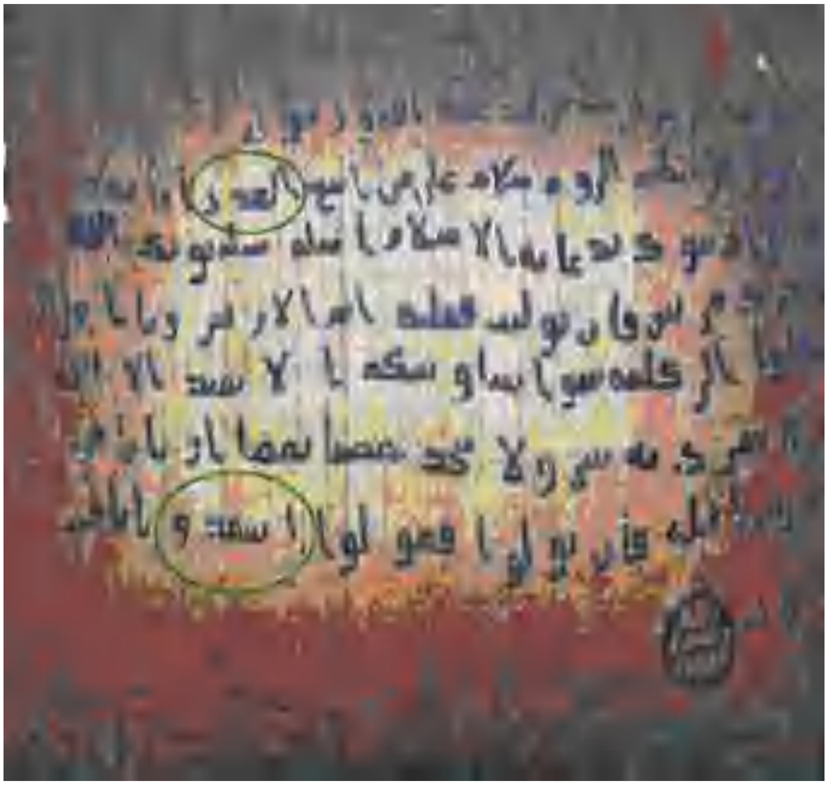

٦۵

طفٰی دیب

یعقوبی

خ الأمم

ر ابن قیم

المؤسسة

ن أمور

لله عنه۔

للنشر،

۲۰۱۳)، ۵۹٦؛ فواد سیزگین، **تاریخ التراث العربي**، علوم القرآن و الحدیث، نقله إلی العربیة، محمود فهمی حجاز، مراجعة عرفة مصطفیٰ، د. سعید الرحمٰن عبدالرحیم (*الریاض*: وزارة التعلیم العابي، ۱۹۹۱ء)، ۱۹– ۲۰۔

66– Abulhab, Saad D. "Roots of Modern Arabic Script: From Musnad to Jazm." *Quarterly Sawt Dahesh*, 50-51 (2007-2009); Islamic Civilization. http://www.cyberistan.org/islamic/letters.html

تصویر نمبر ۱۱: رسول اللہ ﷺ کا گرامی نامہ (۶۷)

دور اسلام کی ابتدائی صدیوں میں تحریر شدہ بعض نمونے دریافت ہوئے ہیں۔ درج ذیل تصویر ان پتھروں کی ہے جن پر خط کوفی میں عربی تحریر ہے۔ اس تحریر کے متعلق محققین کا خیال ہے کہ یہ سن ۴ھ ہجری (۶۲۵عیسوی) کی ہے۔ یہ تحریر مدینہ منورہ کے قریب Mount Sealaپر پائی گئی ہے۔

تصویر نمبر ۱۲: Mount Seala پر اسلام کے ابتدائی دور کی تحریر(۶۸)

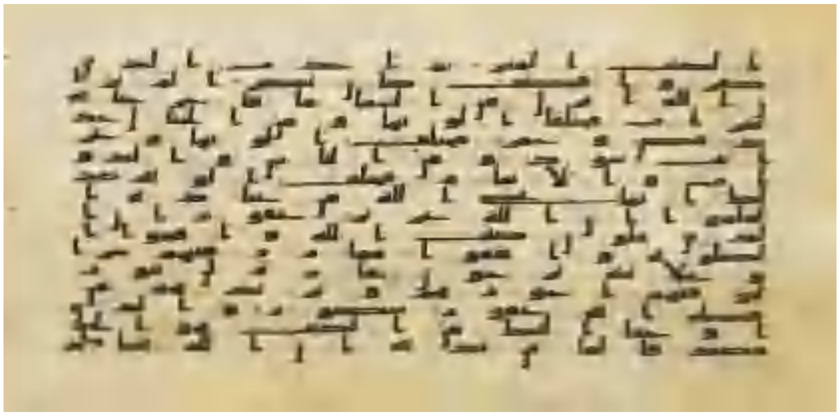

تصویر نمبر ۱۳: مصحف عثمانی کا عکس قرآن پاک کی سورۃ الحشر (۵۹: ۱۰) کا یہ صفحہ قرآن پاک کے قدیم نوادرات میں سے ہے۔ یہ بغیر نقطوں کے خط کوفی میں مدینہ منورہ میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس کی تاریخ تقریباً ساتویں صدی عیسوی کی ہے۔(۶۹)

68– Saifulla, M. S. M. Ghuniem, Muhammad Zaman, Shibli, *From Alphonse Mengana to Christoph Luxenberg: Arabic Script and the alleged Syriac Origins of the Qur'ān* Islamic Awareness. http://www.islamic-awareness.org ; Abulhab, Saad D. "Roots of Modern Arabic Script: From Musnad to Jazm." *Quarterly Sawt Dahesh*, 50-51 (2007-2009) ; Hamidullah, Muhammad, *Six Originaux des Lettres du Prophète de l'Islam* (Paris: Tougui,1985) 60;Muṣṭafā Al- A'ẓamī, Muḥammad, *The History of the Qur'ānic Text : From Revelation to Compilation, A Comparative Study with the Old and New Testaments* (Dubai: Islamic Affairs & Charitable Activities Department, 2008),133.

برمنگھم یونی ورسٹی برطانیہ کی قدیم مسودات کی نادر اور نایاب مسودات کی جمع بندی میں چمڑے پر لکھے ہوئے قرآن پاک کا ایک حصہ ملا ہے۔اس کی تصویر ذیل میں ہے۔

تصویر نمبر ۱۴: دور رسالت کے قرب میں تحریر کردہ قرآن مجید کا حصہ (۷۰)

اس نایاب اور نادر مخطوطہ میں قرآن پاک کی سورہ نمبر ۱۸ سے ۲۰ شامل ہیں۔اس مخطوطہ کے چمڑے کا، جو کہ حجازی خط میں سیاہی سے تحریری کیا گیا ہے، Radiocarbon تجزیہ کیا گیا تو پتا چلا کہ یہ ایک قدیم پارچہ ہے اور اس پر ۵۴۵ء سے ۵۶۸ء کے دوران لکھا گیا اور یہ نتیجہ ۹۵.۴ فی صد درست قرار دیا گیا۔ برمنگھم یونی ورسٹی کی لائبریری میں کیے گئے تجربے کے متعلق برمنگھم یونی ورسٹی کے اسلام اور مسیحت کے پروفیسر David Thomas اور بین المذاہب تعلقات کے پروفیسر Nadir Dinsham کہتے ہیں۔

> The tests carried out on the parchment of the Birmingham yield the strong probability that the animal from which it was taken was alive during the lifetime of the Prophet Muhammad shortly afterwards. This means that the parts of the Qur'an are written on this parchment can, with a degree of dated to less than two decades after Muhammad's death. These portions must have been in a form that is very close to the the Qur'an read today, supporting the view that the text has

69– Hussein, Mohamed A, *Origins of the Book From Papyrus to Codex* (Greenwich: New York Graphic Society, 1972); Abulhab, Saad D. "Roots of Modern Arabic Script: From Musnad to Jazm." *Quarterly Sawt Dahesh*, 50-51 (2007-2009).

70– https://www.birmingham.ac.uk/news/latest/2015/07/quran-manuscript-22-07-15. aspx visited on 7-9-2018.

undergone little or no alteration and that it can be dated to a very close to the time it was believed to be revealed.[71]

(برمنگھم کے پارچے پر کیے گئے تجربات سے یہ بات گمان کے طور پر ثابت ہوتی ہے کہ جس جانور سے وہ حاصل کیا گیا ہے ہے، وہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں یا اس سے متصل بعد کے عرصے میں موجود رہا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس پارچے پر اجزاے قرآنی تحریر کیے گئے ہیں، اس کی بابت یہ بات قریباً یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اس کا زمانہ محمد (ﷺ) کی وفات کے بعد دو دہائیوں سے کم عرصے پر ہی مشتمل ہو گا۔ یہ اجزا قرآن کی موجودہ صورت سے قریب ترین ہیں۔ اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ متن میں کسی قسم کا کوئی تغیر نہیں ہوا ہے اور اس کا زمانہ، وقت نزول کے قریب ترین ہے۔)

کتب احادیث میں متعدد ایسی مثالیں موجود ہیں جو نزول وحی کے موقع پر نہ صرف کتابت وحی کے اہتمام اور طریقۂ کار کی وضاحت کرتی ہیں، بلکہ کاتبین وحی کی استعداد اور ان کے پاس کتابت وحی کے لیے موجود مواد کی بھی نشان دہی کرتی ہیں۔ امام بخاری نے البراء سے روایت کیا ہے کہ جب قرآن پاک کی درج ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾۔

تو اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ادع لنا زيدًا و ليجي باللوح و الدواة و الكتف، أوالكتف و الدواة" ثم قال: "اكتب ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ﴾ و خلف ظهر النبيﷺ عمرو بن أم مكتوم الأعمى قال يا رسول الله فما تأ مرنى، فإني

71– This Qur'anic manuscript is part of the University's Mingana Collection of Middle Eastern manuscripts, held in the Cadbury Research Library. Funded by Quaker philanthropist Edward Cadbury, the collection was acquired to raise the status of Birmingham as an intellectual centre for religious studies and attract prominent theological scholars .The Cadbury Research Library (CRL) is the name of the University of Birmingham's Special Collections department. The CRL holds more than 4 million manuscripts and 200,000 rare books, including the Mingana Collection of Middle Eastern Manuscripts, which is designated as being of 'Outstanding International Importance' by Arts Council England. This Qur'anic manuscript was on public display at the University of Birmingham from Friday 2 October until Sunday 25 October, 2015.
See:www.birmingham.ac.uk/news/latest/2015/07/quran-manuscript-22-07-15.aspx

رجل ضرير البصر؟ فنزلت مکا نہا ﴿ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (۷۲)

جب حضور ﷺ ہجرت فرمارہے تھے تو اس وقت بھی ایک کاتب آپ ﷺ کے ساتھ موجود تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب دوسرے ممالک کے بادشاہوں کو خطوط لکھوانے کا فیصلہ فرمایا تو ان خطوط کو رسمی شکل دینے کے لیے مہر بنانے کا فیصلہ بھی فرمایا اور اس ضمن میں روایت ہے:

أن رسول الله عليه وسلم أراد أن يكتب إلى ملوک الروم، قيل له: ”إنهم لايقرؤون كتابا إلاَّ اَن يكون مختومًا، فاتخذ خاتمًا من فضة... و نقش فيه محمد رسول الله.“(۷۳)

رسول اللہ ﷺ کی اس سنت کو خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی جاری رکھا؛ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں باقاعدہ سرکاری مراسلات اور حکومتی امور کی انجام دہی کے لیے دیوان منظم کیا گیا۔ روایات میں آتا ہے کہ جب بحرین سے زیادہ مال غنیمت آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا گیا کہ شام کے بادشاہوں نے دیوان (حکومت) بنایا ہوا ہے، آپ بھی بنالیں۔ اس پر حضرت عمر نے سن ۲۳ھ یعنی ۶۴۳ء میں دیوان حکومت منظم کیا جس میں سرکاری دستاویزات اور ریکارڈ کو محفوظ کیا جاتا تھا۔ مزید برآں حکومت کی طرف سے دیے جانے والے اعزازیہ کا حساب وکتاب بھی اس دیوان میں رکھا جاتا تھا۔ (۷۴)

اموی عہد میں اس دیوان مراسلات میں اصلاحات ہوئیں۔ اگرچہ عربی مذہبی زبان تو شروع سے ہی تھی لیکن اس کو اسلامی خلافت کی رسمی زبان بنانے کے لیے اموی دور کی اصلاحات نے اہم کردار ادا کیا۔ خلیفہ ولید بن عبد الملک ۸۶ھ /۷۰۵ء نے اس حوالے سے کئی اصلاحات کیں۔ ابتدائی خلفا کے دور میں عربی خط وکتابت بہت

۷۲- **صحيح البخاري**،كتاب فضائل القرآن، باب كاتب النبي ﷺ،۴: ۱۹۱۹ء، رقم:۴۷۰۴۔

۷۳- **صحيح الصحيح**، كتاب الجهاد، باب دعوة اليهود و النصارى و ما كتب النبيﷺ إلى كسرى و قيصر، ۲۷۰۸، ۳: ۱۰۷۴؛ الترمذی، **السنن**،كتاب الاستئذان، باب ماجاء في ختم الكتاب، (بيروت: دارإحياء التراث العربي،)، ۱۷۳، رقم:۱۷۳۔

۷۴- محمد بن جریر الطبری، **تاريخ الأمم و الملوک**، ۵-۲۲؛ ابو عبد اللہ محمد بن عبدوس الجهشياری، **الوزراء و الكتاب**، تحقیق، مصطفیٰ السقا وابراہیم الابیاری وعبد الحفیظ شبلی (قاہرہ:مطبعة مصطفىٰ البابي الحلبي و أولاده،۱۹۳۸)، ۱۶۔

مختصر تھی، لیکن اموی دور میں اس ضمن میں جو اصلاحات ہوئیں ان کی وجہ سے عربی زبان کی تحریر میں زیادہ ادبی چاشنی پیدا ہوئی۔[۷۵]

عربی زبان کی تحریر میں یکسانیت لانے میں قرآن پاک کی ابتدائی دور میں ہی تدوین نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ رسول ﷺ کے دور میں قرآن پاک متفرق چیزوں پر متفرق اسالیب سے تحریر کیا گیا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ ایک مصحف میں مدوّن ہو گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اسی مصحف کے مزید نسخے تیار کروا کر ریاست کے مختلف علاقوں میں بھیجے گئے اور یہی تحریر قرآن کی مستند تحریر قرار پائی۔[۷۶] اس طرح قرآن پاک کی تدوین سے عربی زبان کی فصاحت و بلاغت ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں جو قرآن پاک مدوّن ہوا وہ سادہ عربی میں تھا اور اس پر اعراب نہ تھے۔ مشہور ادیب ابو الاسود الدوئلی (م ۶۸۹ء) نے اعراب قرآنی کا اہتمام کیا، نیز یہ کہ ان اعراب میں مختلف آوازوں کو محفوظ کرنے کے لیے انھوں نے ہمزہ، اور تشدید کا اضافہ بھی کیا۔ یہ کوششیں نبطی رسم الخط میں ایک جدت تھی۔ ان کوششوں کے نتیجے میں عربی الاصل لہجے میں عربی زبان کی قراءت آسان ہو گئی۔[۷۷] اس کے بعد عربی زبان کی تحریر میں مزید تنوع شروع ہو گیا۔ مروان بن محمد بن مروان (۷۴۴ء۔۷۴۹ء) نے عربی ادبیت میں مزید چاشنی پیدا کر دی۔ اسی روایت کو عباسی خلفا نے بھی جاری رکھا اور منصور کے عہد (۷۵۴ء۔۷۷۵ء) میں یہ ادبیت اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ اس عرصے میں عربی صرف و نحو اور قواعد پر بے مثال کتابیں تحریر ہوئیں۔ قرآن پاک کی آیات کے مفاہیم کے تعین کے لیے کتابیں لکھی گئیں۔ جاہلی ادب کو بھی مدوّن کیا گیا تا کہ قدیم عربی زبان اپنی تمام تر ادبی چاشنیوں کے ساتھ محفوظ ہو جائے۔ دوسری صدی ہجری سے چوتھی صدی ہجری میں عربی زبان نے اتنی ترقی کر لی کہ دینی علوم کے علاوہ دنیاوی علوم اور سائنس کی تحریروں کے لیے بھی یہ زبان جامع ذریعہ بن گئی؛ چناں چہ قبل از اسلام کی تہذیبوں اور ثقافتوں کے

۷۵۔ القلقشندی، صبح الأعشی، ۲: ۳۹۱۔

۷۶۔ تدوین قرآن کی تفصیل کے لیے دیکھیں: البخاری، الجامع، کتاب جمع القرآن (بیروت: دار ابن کثیر، ۱۹۸۷ء)، ۴۷۰۱-۴۷۰۲؛

Hamidullah Muhammad, *Emergence of Islami* (Islamabad; Islamic Research Institute, 2014), 3-28.

77. Kees Versteegh, *The Arabic Language* (Edinburgh: Edinburgh University Press, 14997); Versteegh, *K. Arabic Linguistic Tradition* (London: Routledge, 1997); Al-Sharkawi, *History and Development of the Arabic Language, 222.*

علوم بھی عربی زبان میں ترجمہ کے ذریعے منتقل ہو گئے۔ اس دور میں عربی زبان کی مہارت اور اس میں علوم کی تحریر کے لیے نہ صرف قواعد وضوابط مدوّن ہوئے، بلکہ کاغذ، قلم اور سیاہی جیسے ادوات کی بھی ترقی ہوئی جس کے نتیجے میں ہزاروں کتابیں عربی میں تحریر ہونا شروع ہوئیں۔(۷۸)

آغاز اسلام کے نتیجے میں مسلمانوں کے ہاں ایک تعلیمی انقلاب برپا ہوا۔ قرآن فہمی اور رسول اللہ ﷺ کے احکام پر عمل درآمد کرنے کی جستجو نے مسلمانوں کے ہاں اجتماعی اور انفرادی سطح پر تعلیم حاصل کرنے کی تحریک برپا کی۔ اس تحریک کو مساجد، مدارس، جامعات اور کلیات نے کامیاب کیا۔ وقف کے اسلامی ادارے نے اس تعلیمی انقلاب کے لیے مالیاتی ضرورتیں پوری کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ تعلیمی کاوشیں مذہبی جذبے کے ساتھ شروع ہوئیں اور ان کا مقصد اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرنا اور دائمی کامیابی حاصل کرنا ٹھرا۔ یہ وہ تعلیم تھی جس کا ہدف زمین پر اللہ کی خلافت قائم کرنا تھا، سچ اور حق کی تلاش میں ہونے والی کاوشوں کو اجتہاد کے ادارے نے جلا بخشی۔ فقہا نے اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق مقدس متون (قرآن وسنت) کا مطالعہ کیا اور اللہ کی رضا کے مطابق اسلامی معاشرے کو صحیح اور درست کی بنیاد پر استوار کرنے کے لیے اپنی عمریں صرف کر دیں۔ ریاست نے علم کی ترقی کی حوصلہ افزائی تو کی، لیکن عقلی آزادی پر مداخلت کی اور نہ ہی نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم پر کنٹرول کے ذریعے علمی پابندیاں عائد کیں۔ اس تعلیمی جدوجہد نے دینی جذبے کو محرک بناتے ہوئے صرف دینی تعلیم تک اپنے آپ کو محدود نہیں رکھا، بلکہ دوسرے تمام موجود علوم کی طرف بھی توجہ کی۔ اصول الدین، فلسفہ، علم الکلام، ریاضیات، طب اور طبعی علوم سب کی طرف مسلمانوں نے توجہ کی۔ یہ دیکھنے کے بجائے یہ علوم کہاں ہیں، یہ دیکھا کہ ان کو کیسے سیکھا جا سکتا ہے۔ ان کو توحید کی حقانیت پر یقین تھا۔ اس یقین نے مسلمانوں کو پورے اعتماد کے ساتھ دوسری قوموں کے علوم کی طرف متوجہ کیا، چناں چہ انھوں نے دینی علوم کے علاوہ جو کہ وحی پر مشتمل تھے باقی تمام علوم میں قبل از اسلام کی تمام تہذیبوں سے فائدہ اٹھایا۔ یونانی، ہندی، چینی رومی الغرض اس دور کی تمام تہذیبوں کے ہاں جو بھی علمی شہ پارے تھے مسلمانوں نے ان کو جمع کیا۔ ان کا ترجمہ کیا اور تازہ کاری کے ذریعے ان علوم میں جدت پیدا کی۔ پھر صدیوں تک ان علوم پر تحقیق کرتے رہے اور اس طرح بہ تدریج یہ علوم اسلامی تہذیب وتمدن کا حصہ بنتے گئے۔

۷۸- تفصیل کے لیے دیکھیں:

Versteegh, *The Arabic Language,* Versteegh, *K, TArabic Linguistic Tradition; Al-Sharkawi, History and Development of the Arabic Language,* *222* ;

فواد سیزگین، **تاریخ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام**، ترجمہ، خورشید رضوی (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی)، ۱۱– ۱۸۔

نویں اور دسویں صدی عیسویں کا بغداد، بارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی کا قاہرہ اور غرناطہ اور سولھویں صدی عیسوی کا استنبول اور دہلی اس اسلامی تہذیب وتمدن کے مراکز تھے جس میں برداشت تھی، اخذ و تازہ کاری اور عطا کا جذبہ تھا، شمولیت اور تکثیریت کے عناصر تھے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے عروج کی کہانی دراصل اس تہذیب وتمدن کی علمی جستجو اور کامیابیوں کی داستان ہے۔ کاغذ، قلم اور سیاہی نے اسلامی تہذیب کے علمی انقلاب کے آلات کا کام کیا۔ اس تہذیب کے یہ نوادرات آج بھی موجود ہیں۔ بہت کچھ ضائع ہو گیا لیکن جو بچ گیا وہ اس کے نمائندگی ضرور کرتا ہے جو مسلمانوں کے ہاں موجود تھا۔ اسی علمی وراثت کے ایک مختصر سے حصے کو ادارہ تحقیقات اسلامی میں پچھلے ۶۰ر سالوں میں جمع کیا گیا ہے۔ جس پر تبصرہ و تجزیہ زیر نظر تحریر میں مقصود ہے۔ [۷۹]

۵۔ اسلامی اور عربی مخطوطات

مخطوطہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ خ ط ط ہے۔ اس کا لغوی مفہوم وہ تحریری مواد ہے جو ہاتھ سے لکھا گیا ہو؛ اسی حوالے سے کہا جاتا ہے: خط الشيء بيده يخطه خطًا إذا خطه بقلم أو غيره. [۸۰]

کسی مادی چیز پر ہاتھ سے لکھا ہوا تحریری مواد مخطوط یا مخطوطہ کہلاتا ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یہ طبع زاد اصل کام بھی ہو سکتا ہے۔ کسی دوسرے کام کا ترجمہ بھی ہو سکتا ہے اور کسی دوسرے کام کا نسخ یعنی

۷۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیں:

Bernard Lewis, *The Arab in History*, (Oxford: Oxford University Press,2000); Hitti P.K., *History of Arabs* (London 1958),45; A.J. Arberry, *Aspects of Islamic Civilization: As Depicted in the Original Texts*, (London: George Allen and Unwin LTD,1964),10-13; Gibb H.A.R., *Mohammedanism* (Oxford: Oxford University Press,1958), 24; Hossein Nasr, 'Civilizational Dialogue and the Islamic World' **Encounter**, 8: 2 (2002), 132; Ahmet Davutoglu, 'Civilizational Self-Perception and Pluralistic Coexistence: A Critical Examination of the Image of the 'Other', *Muslims and the West Encounter and Dialogue*, Edited by Zafar Ishaq Ansari, John L. Esposito (Islamabad: Islamic Research Institute, 2004), 109; Pirenne, *The Tides of History* (London: G.Allen and Unwin, 1962), 1; 275; George Makdisi, *The Rise of College; Institution of Learning in Islam and the West* (Edinburgh: Edinburgh University Press, 1981).

۸۰۔ الأزدی ابو بکر محمد بن الحسن بن درید (م۳۲۱ھ) جمهرة اللغة، تحقیق رمزی منیر بعلبکی (بیروت: دار العلم للملايين، ۱۹۸۷ء)، ۱: ۱۰۵۔

نقل کر کے ایک دوسرا نسخہ تیار کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ مخطوط، جسے اردو میں مخطوطہ کہا جاتا ہے طویل بھی ہو سکتا ہے اور مختصر بھی، مخطوطہ لکھنے کے لیے عام طور پر قلم کا استعمال کیا جاتا ہے جس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان اقلام کو سیاہی کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ آغاز اسلام کے وقت چوں کہ کاغذ عام میسر نہ تھا، اس لیے ابتدائی صدیوں میں ہڈی، جھلی، کھال، پتے، ریشم، کپڑا، دھات، قرطاس اور لکڑی کے ٹکڑوں پر خطاطی کی جاتی تھی۔ قدیم زمانوں میں خطاطی کے لیے پتھر اور مٹی کی تختیاں اور برتن بھی استعمال ہوتے تھے۔ اسلامی دور عروج میں جب مسلمانوں کے ہاں کاغذ کی صنعت زیادہ ترقی کر گئی تو مخطوطات عموماً کاغذ پر تحریر کیے جاتے تھے۔ آج کے دور میں مخطوطہ کی اصطلاح قلمی کتابوں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ ان میں کئی نایاب اور نادر مخطوطات بھی شامل ہیں اور عام قسم کے مخطوطات بھی شامل ہیں۔(۸۱)

صدر اسلام میں قلم سے لکھی گئی کتابوں کو مسودہ بھی کہا جاتا تھا۔ مسودہ اصل، میں اسود سے نکلا ہے۔ چوں کہ اس وقت یہ کتابیں سیاہ روشنائی سے تحریر کی جاتی تھیں، اس لیے انھیں مسودہ کہا جاتا تھا اور ان کے لکھنے والوں کو مُسوِّد کا نام دیا جاتا تھا۔ اردو زبان میں مسودہ سے مراد وہ تحریر ہے جو کہ سرسری طور پر لکھی جائے اور جسے صاف اور صحیح کرنے کی ضرورت ہو۔ خاص مقصد کے لیے لکھی گئی تحریر اور خاص منصوبے کے طور پر لکھی گئی تحریر کو بھی مسودہ کہا جاتا ہے۔ مسودہ مذکر ہے اور اس کی جمع مسودات ہے۔(۸۲) پریس کی ایجاد اور اس کے بتدریج استعمال کے بعد پریس میں مطبوعہ کتب کو مطبوع اور خطِ ید سے تحریر شدہ کتب کو مخطوط کہا جانے لگا۔(۸۳)

انگریزی زبان میں مخطوطہ کو Manuscript کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ یونانی زبان کے لفظ Manuscriptus سے ماخوذ ہے جو کہ دو الفاظ Manu اور Scriptus کا مجموعہ ہے جس کے معنی Hand اور To Write کے ہیں۔ کسی کتاب کے اصل مسودے یا Hand Written مسودے کو Manusript کہا جاتا ہے۔(۸۴)

۸۱۔ انجم رحمانی، ”مخطوطات، اہمیت، حصول، تحفظ“، **فکر و نظر**، مخطوطات نمبر، ۳۵:۳: ۲ – ۳، (اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۷ء–جنوری۔ مارچ ۱۹۹۸ء)، ۳۳۔

۸۲۔ مولوی فیروز الدین، **فیروز اللغات اردو جامع**، ۱۱۲۰۔

۸۳۔ نفس مصدر، ۳۴۔

84– Cambridge Dictionary, dictionary.combridge.org/dictionary/english/manuscript

دور حاضر میں اسلامی ممالک میں عمومی طور پر ہاتھ سے تحریر شدہ کتابوں کے لیے مخطوطات کی اصلاح استعمال کی جاتی ہے۔ ایران، افغانستان اور وسط ایشیائی ممالک میں مخطوطہ کے بجائے نسخۂ خطی کی اصلاح استعمال ہوتی ہے۔ فارسی میں اس ضمن میں دست نویس کی اصلاح بھی رائج تھی، جب کہ پاک و ہند میں مخطوطہ کے لیے قلمی، خطی کتاب یا قلمی نسخہ وغیرہ کی اصطلاحات بھی استعمال ہوتی رہیں۔ ان تمام اصطلاحات کا مقصد خط ید سے تحریر شدہ تحریروں اور مطبوعہ کتب کے درمیان فرق کو واضح کرنا ہے۔[۸۵]

اسلامی تہذیب و تمدن میں مخطوطہ نویسی کا ارتقا

جب بعثت نبوی ﷺ ہوئی اور قرآن پاک کی پہلی وحی نازل ہوئی تو اس کے ساتھ ہی کتابتِ وحی کا ادارہ وجود میں آگیا۔ اسلامی تہذیب و تمدن میں مخطوطات لکھنے کی روایت کا آغاز کاتبین وحی صحابہ کرام [نے کیا، جنھوں نے قرآن پاک کو نزول کے ساتھ ہی لکھنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت عربی زبان تحریری زبان بن چکی تھی۔ کتابت یا لکھنے کا فن، الحیرہ سے دومۃ الجندل کے ذریعے مکہ پہنچا۔[۸۶] لکھنے کا یہ نظام حرب بن امیہ مکہ میں لائے۔ بلاذری نے عربی خط کی سریانی خط سے علاحدگی کا ذکر کیا ہے۔ ان کے خیال میں مواحد بن مرۃ، اسلم بن سدرۃ اور عامر بن جدرۃ وغیرہ نے مل کر عربی خط کو سریانی خط سے الگ کیا۔ اہل انبار میں سے کچھ لوگوں نے ان سے عربی خط میں لکھنا سیکھا اور پھر الحیرہ کے رہنے والوں کو سکھایا۔ بشر بن عبد الملک نے اہل الحیرۃ سے عربی خط میں لکھنا یعنی کتابت سیکھی پھر وہ اس فن کو مکہ لے آیا۔ مکہ میں بشر سے فن تحریر سیکھنے والوں میں سفیان بن امیہ بن عبد الشمس اور ابو قیس بن عبد المناف وغیرہ شامل تھے۔ ان دونوں نے بشر بن عبد الملک کو جب لکھتے ہوئے دیکھا تو خود بھی سیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس پر بشر نے ان دونوں کو عربی ہجے میں لکھنا سکھایا۔ ان دونوں سے دوسرے لوگوں نے عربی میں املا یعنی تحریر لکھنا سیکھی۔ بلاذری کہتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو ۱۷ افراد لکھنا جانتے تھے اور ان میں رسول اللہ ﷺ کے ابتدا کے ساتھی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ جیسے کبار صحابہ شامل

۸۵۔ انجم رحمانی، "مخطوطات، اہمیت، حصول، تحفظ"، مصدر سابق، ۳۳۔ ۳۴۔

۸۶۔ سید محمد سلیم، تاریخ خط و خطاطین، ترتیب سید عزیز الرحمٰن، (کراچی: زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء)، ۴۰۔ ۶۰۔

تھے۔[۸۷] یہی وہ صحابہ تھے جنھوں نے کتابت وحی کے فرائض بھی سرانجام دیے۔ اسلامی تہذیب وتمدن میں عربی خط میں لکھنے کا آغاز انھی کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہوا، چوں کہ مکہ میں حج کی غرض سے اور تجارت کی وجہ سے کئی علاقوں سے لوگ آتے تھے۔ ان لوگوں میں مختلف علاقوں، مختلف نسلوں اور مختلف مذاہب کے ماننے والے شامل تھے۔ ان میں حبشی، ایرانی، رومی بھی شامل تھے اور یہودی، عیسائی اور مجوسی بھی شامل تھے۔ چوں کہ مکہ ایک بین الاقوامی شہر تھا، اس لیے اس شہر میں حبشی، پہلوی، عبرانی، سریانی اور رومی تحریروں کو جاننے والے لوگ موجود تھے۔ روایات کے مطابق جب پہلی وحی نازل ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو کہ تورات اور انجیل کے عالم تھے۔[۸۸] چوں کہ عبرانی اور سریانی انجیل اور تورات کی زبانیں تھیں اس لیے وہ ان زبانوں کے جاننے والے بھی تھے۔[۸۹]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھنے کے فرائض سرانجام دیے۔ حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ بھی آپ کے کاتبوں میں شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ میں موجودگی کے دوران میں دار ارقم مسلمانوں کی تعلیمی اور تحریری سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ جب کہ ہجرت کے بعد یہ مرکز مسجد نبوی میں صفہ کے چبوترے پر قائم ہوگیا اور اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ تحریر اور کتابت سکھاتے تھے۔ جنگ بدر کے قیدیوں میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ انھیں بھی کہا گیا کہ وہ دس دس افراد کو لکھنا سکھا دیں تو انھیں رہائی دے دی جائے گی۔[۹۰] یہ سزا اپنی نوعیت کی غالباً پہلی مثال ہے اس کے نتیجے میں مدینہ منورہ کو پہلا دارالکتابۃ بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔[۹۱]

۸۷- احمد بن یحیی بن جابر البلاذری، **فتوح البلدان** (بیروت: دار و مکتبة الهلال، ۱۹۸۸ء)، ۴۵۳۔

۸۸- دیکھیے: البخاری، **الصحیح البخاري**، کتاب بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي الی رسول اللہ ﷺ، رقم: ۳۔

۸۹- سید محمد سلیم، مرجع سابق، ۵۳۔

۹۰- **مسند أحمد بن حنبل**، رقم: ۲۲۱۶۔

۹۱- ایس ایم ناز، **اردو میں فنی تدوین** (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۱ء)، ۲۳۴۔

صدر اسلام کے ان اقدامات کے نتیجے میں مسلمانوں کے ہاں لکھنا پڑھنا عام ہو گیا۔ سارے عرب میں املا کا رواج ہو گیا۔ وہی خط جو پہلے مکی کہلاتا تھا وہ مدنی خط بھی بن گیا۔ اس دور کا عربی خط سادہ تھا۔ اس میں تصنع، تکلف اور آرائش نہ تھی تحریر کی سطریں سیدھی نہیں تھیں اور حروف بھی بالکل سیدھے یا عمودی نہیں تھے۔ چوں کہ یہ خصوصیات نبطی خط میں پائی جاتی تھیں، اس لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا بے جا نہ ہو گا کہ صدر اسلام کا عربی خط در اصل نبطی خط ہی تھا اور اس وقت اس میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ صدر اسلام کے دور کی بعض دستاویزات اس بات کی گواہی دیتی ہیں۔ (۹۲)

قرآن پاک کی جمع و تدوین اور تصحیف کے ساتھ ہی اسلامی تہذیب و تمدن میں مخطوط نویسی کا آغاز ہوا۔ عصر رسالت اور خلفاے راشدین کے دور ہی میں قرآن پاک کے علاوہ کئی دوسری دستاویزات بھی تحریر ہوئی۔ ان دستاویزات کی تفصیل ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بیان کی ہیں۔ (۹۳) رسول اللہ ﷺ کے دور کی یہ روایت عہد بہ عہد آگے چلتی رہی۔ خلفاے راشدین کے دور میں فن خطاطی نے بہ تدریج ترقی کی۔ قدیم خط نے آغاز اسلام میں جو شکل اختیار کی اسے خط کوفی کا نام دیا گیا۔ فتوحات کے ساتھ ہی یہ خط بھی پھیلتا رہا۔ اس دوران میں اس میں کئی نئے اضافے ہوئے۔ نقطوں اور اعراب کی وضاحت کا طریقہ طے کیا گیا۔ اس خط کو تحریر کے ساتھ ساتھ آرائش کے لیے بھی استعمال کیا جانے لگا۔ آرائشی نوعیت کی جاذبیت ساری دنیا میں پھیل گئی اور اس سے غیر مسلم بھی متاثر ہوئے۔ عیسائی بادشاہوں نے خط کوفی میں کلمہ طیبہ لکھوایا۔ بعض گرجاؤں میں بھی اس خط کو زیب و زینت کے لیے استعمال کیا گیا۔ (۹۴) اسلامی ادب مساجد اور مدارس میں تخلیق ہوتا تھا اور مکتبات اور لائبریوں میں اس کو محفوظ کیا جاتا تھا۔ اگرچہ اسلامی تہذیب و تمدن کا بہت بڑا سرمایہ کئی حوادث کی وجہ سے ضائع ہو گیا، لیکن اس کے باوجود لاکھوں کی تعداد میں اسلامی تہذیبی مسوادت موجود ہیں اسلامی تہذیب و تمدن

۹۲- دیکھیے: محمد حمید اللہ، **مجموعة الوثائق السياسية في العهد النبوی و الخلافة الراشدة** (قاہرہ: مطبعة لجنة التاليف و الترجمة و النشر، ۱۹۴۱ء)؛ سید محمد سلیم، **تاریخ خط و خطاطین**، ۶۴۔

۹۳- محمد حمید اللہ، **مجموعة الوثائق السياسية** (قاہرہ: مطبعة لجنة التاليف و الترجمة و النشر، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء)، ۳-۱۲، ۱۵- ۲۸۳۔

۹۴- ایس ایم ناز، مصدر سابق، ۲۳۵- ۲۳۶۔

میں مخطوطات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کرۂ ارض پر سب سے زیادہ تحریری مخطوطات اس تہذیب کے ہاں ہی موجود ہیں۔[۹۵]

اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں اسلامی مسودات واضح طور پر استفادے کے لیے موجود رہے ہیں۔ اس حوالے سے ذاتی اور سرکاری دونوں قسم کے مسودات کے مجموعے موجود تھے۔ بہت قلیل عرصے میں تفسیر، حدیث، فقہ، کلام و منطق، صرف و نحو، تاریخ، شعر و ادب اور دیگر علوم کا بہت بڑا ذخیرہ تحریری طور پر وجود میں آیا۔ مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور بغداد جیسے علمی مرکز بنے۔ مسلمان جس جس جگہ گئے انھوں نے مساجد کے ساتھ ساتھ مدارس و مکتبات بھی قائم کیے اور ہر محراب و منبر میں تحقیق و تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ سلسلہ گردش ایام کے باوجود پرنٹنگ پریس کی ایجاد کے بعد تک جاری رہا۔[۹۶]

اسلامی تاریخ میں مخطوطات کے تحفظ کی طرف بہت توجہ دی گئی۔ مسلمانوں نے مسودات کی پاے داری کے لیے کاغذ کی صنعت کی طرف بھی توجہ دی تاکہ بہتر سے بہتر اور مضبوط سے مضبوط کاغذ مخطوطات کی تیاری کے لیے استعمال کیا جا سکے، نیز اعلیٰ، پختہ اور موسمی اثرات سے پاک رہنے والی سیاہی کی تیاری کی طرف بھی توجہ کی گئی۔ ان مخطوطات کی جلد بندی کا بھی خاص اہتمام کیا گیا اور بسا اوقات اس مقصد کے لیے سانپوں اور اژدھوں کی کھال کو بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ مصنفین حفاظت کی غرض سے اصل مسودات کو سرکاری کتب خانوں میں محفوظ کروا دیتے تھے، جب کہ خاص مکتبات میں ان مسودات کے نسخے فراہم کیے جاتے تھے۔ ان مخطوطات کی حفاظت کے لیے خاص لکڑی سے الماریاں بنائی جاتی تھیں اس طرح عظیم الشان اسلامی تصانیف اور علمی خزانے لوگوں کے استفادے کے لیے وجود میں آئے۔[۹۷]

امت مسلمہ میں جب سیاسی ابتری ہوئی تو علمی ترقی کو زوال ہوا، علم کے مراکز بے آباد ہوئے۔ کتب خانے برباد ہوئے اور مخطوطات کا نادر روزگار سرمایہ تباہ و برباد ہوا۔ تاتاریوں کے حملوں کی وجہ سے سقوط بغداد ہوا تو بیت الحکمت کا سارا خزانہ دریاے دجلہ میں بہہ گیا اور اس دریا کا پانی کئی دن کے لیے سیاہ ہو گیا۔ بعد کے ادوار میں اہل

95– Ramin Khanbagi, *Islamic Manuscrips: A Biblography* (Nordhausen: Iraugott Boutz, 2016), 7.

۹۶– اعجاز فاروق اکرم، ”مخطوطات کا حصول، حفاظت، قدامت، قدر و قیمت اور اہمیت، پرکھنے کے طریقے“، اسلام آباد، فکر و نظر، ۳۵: ۲–۳ (۱۹۹۱ء–۱۹۹۸ء)، ۲۶۔

97– Ramin Khanbaqi, Ibid, 8; Abdul Latif ibn Dohaish, 'Growth and Development of Islamic Libraries', *Islamic Quarterly* 31 (1987), 217-29.

یورپ نے جس جگہ بھی غلبہ حاصل کیا وہاں سے علمی ذخائر یورپ منتقل کر دیے۔ اگرچہ یورپ میں جس طرح مخطوطات کی حفاظت ہوتی ہے اس طرح مسلمان ممالک میں نہیں ہے، لیکن مسلمان ممالک میں بھی مخطوطات کے بڑے بڑے مجموعے موجود ہیں۔[۹۸] اسلامی مخطوطات کے چند بڑے مجموعے اور مراکز حسب ذیل ہیں:

- Arabic Manuscripts – British Library
- Collections: Islamic Manuscripts (Michigan) HathiTrust
- Princeton Digital Library of Islamic Manuscripts
- Islamic Manuscripts McGill Library, Mgill University, Canada
- Yale SOAS Islamic Manuscript Gallery (YS-IMG) Project
- Islamic Manuscripts, Cambridge University Library's collection of Islamic Manuscripts

پوری دنیا میں مخطوطات کی تعداد کتنی ہے؟ اس بارے میں متعدد آرا ہیں۔ پانچ ہزار قبل مسیح سے سترھویں عیسوی تک کا بیش تر علمی سرمایہ مخطوطات کی صورت میں ہے۔ ان قدیم مخطوطات کی بڑی تعداد مسلمانوں کے علوم و فنون سے متعلقہ ہے۔ قرآن پاک کو شروع ہی سے لکھنے کی وجہ سے مسلمانوں کے ہاں مخطوطات سے متعلق متعدد علوم و فنون وجود میں آئے۔ لکھنے کے لیے کاغذ کی زیادہ ضرورت ہونے کی بنا پر مسلمانوں نے چینیوں سے کاغذ سازی کا ہنر سیکھا اور اٹھارھویں صدی عیسوی میں سمرقند میں کاغذ کا پہلا کارخانہ قائم کیا گیا۔ وہاں سے یہ فن نہ صرف تمام مسلمان علاقوں میں پھیل گیا، بلکہ مسلمانوں سے یہ ہنر یورپ میں بھی منتقل ہوا اور اسپین اور اٹلی میں

۹۸۔ تفصیل کے لیے دیکھیں:

Ami Ayalon, *Reading Palesting: Printig and Literacy, 1900-1948* (Austin, TX: University of Texas Press, 2004), PP. 43-44; Abdul Latif Ibn Dohaish, "Growth and Development of Islamic Libraries", *Islamic Quarterly*, 31 (1987), 217-29; Dov Schidorsky, "Libraries in Late Ottoman Palestine between the Orient and Occident", Libraries and Culture, 33.3 (1998), 108; Yitzhak Reiter, "The Waqf in Israel Since 1965: The Case of Acre Reconsidered", in Holy Places in the Israeli-Palestinian Conflict, Confrontation and Co-existence, edit by Marshall J. Breger, Yitzhak Reiter and Leonard Hammer (London: Routledge, 2009), pp. 104-27; Ramin Khanbagi, Islamic Manuscripts: A Bibliography (Nordhausen: Traugott Bautz, 2016); D. F., Mohammedan Manuscripts, 'The Metropolitan Museum of Art Bulletin,' Vol. 9, No. 7 (Jul., 1914), pp. 159-162.

بھی کاغذ سازی کی صنعت قائم ہوئے۔ یہی کاغذ سازی کی صنعت تھی جس نے پرنٹنگ پریس کی ایجاد میں معاونت کی۔ مسلمانوں نے کاغذ سازی کے علاوہ جلد سازی، روشنائی سازی، تہذیب کاری، نقاشی، خطاطی اور دیگر متعلقہ فنون میں بے پناہ ترقی کی تھی۔[۹۹]

بادشاہوں سے لے کر عام پڑھے لکھے مسلمان کے حصول علم و معرفت کا ذریعہ مخطوطات ہی تھے۔ تعلیم یافتہ افراد خود بھی لکھتے تھے اور اچھے خطاطوں سے مدد بھی لیتے تھے۔ خطاطی ایک ایسا فن تھا جس میں عروج کی کوششیں ہوتی تھی۔ خاص طور پر قرآن پاک کی کتابت عصر رسالت ہی سے شروع ہوگئی۔ چناں چہ مسلمان خطاطوں اور نقش گروں نے جتنا خون جگر اور عقیدت قرآن مجید کے لیے نچھاور کیا اس کی کوئی مثال نہیں۔ اس عقیدت و محبت کے نتیجے میں آج لاکھوں مصاحف اور دیگر علوم میں تحریر کردہ مخطوطات دنیا کے مختلف کتب خانوں، عجائب خانوں، درس گاہوں اور ذاتی ذخیروں میں لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔[۱۰۰]

اسلامی تاریخ میں اگرچہ زیادہ تر مخطوطات عربی ہی میں تحریر کیے گئے، لیکن ان میں متنوع اسالیب اختیار کیے گئے؛ چناں چہ کوفی، ثلث، رقاع، محقق، ریحان، نسخ، نستعلیق اور کئی اسالیب کتابت وجود میں آگئے۔[۱۰۱]

اسلامی تہذیب کے زوال اور تاریخ کی تمام تر حشر سامانیوں کے باوجود مخطوطات کی تہذیبی اور ثقافتی سربلندی کا یہ عالم ہے کہ دنیا کا کوئی بڑا کتب خانہ ایسا نہیں ہے جہاں مذہب و منقش خطاطی کے نمونوں کو زینت اور قدر دانی کے طور پر نہ دیکھا جاتا ہو۔ مشہور جرمن مستشرق Ritter کے مطابق آج دنیا میں کل چار لاکھ مخطوطات ہیں جن میں اڑھائی لاکھ ترکی میں ہیں، جب کہ باقی ماندہ ڈیڑھ لاکھ دنیا کے دیگر ممالک کے سرکاری کتب خانوں، درس گاہوں اور عجائب گھروں میں موجود ہیں۔[۱۰۲] پروفیسر ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری کی رائے میں آئی سسکو کے

۹۹۔ عبدالجبار شاکر، ”پاکستان میں ذخائر مخطوطات۔۔۔ایک جائزہ“، اسلام آباد، **فکر و نظر**، ۳۵: ۲–۳ (۱۹۹۵ء–۱۹۹۷ء)، ۱۶۲۔

۱۰۰۔ عبدالجبار شاکر، نفس مصدر، ۱۲۶۔

۱۰۱۔ مخطوطات کے اسالیب کے حوالے سے **فکر و نظر** کے جلد ۳۵، شمارہ ۲–۳ کے کئی مقالات میں دیکھا جاسکتا ہے۔ دیکھیے: شیر محمد زمان، ”پاکستان میں تحقیقی مخطوطات کا مسئلہ اور چند تجاویز“، ۱۷–۲۴ ؛ محمد میاں صدیقی، ”مخطوطہ کی اہمیت“، ۲۵–۳۰ ؛ انجم رحمانی، ”مخطوطات، اہمیت، حصول، تحفظ“، ۳۱–۴۲ ؛ مسعود احمد خان، ”مخطوطات کا ایک تفصیلی جائزہ“، ۴۳–۵۰ ؛ محمد طفیل، ”منہج تحقیق میں مخطوطہ کے نسخوں کی اہمیت“، ۵۳–۶۲، اعجاز فاروق اکرم، ”مخطوطات کا حصول: حفاظت، قدامت، قدر وقیمت اور اہمیت کے طریقے“، ۶۳–۷۸ ؛ اشرف نور احمد، ”تحقیق مخطوطات کا جامع منہج اور طریق کار“، ۷۹–۹۲ ؛ عبدالرؤف ظفر، ”تحقیق مخطوطات“، ۹۳–۱۰۲۔

۱۰۲۔ عبدالجبار شاکر، مصدر سابق، ۱۲۶۔

سیکرٹری جنرل کے مطابق گذشتہ ڈیڑھ سو سال کے عرصے میں دولاکھ مخطوطات طبع ہو چکے ہیں۔ ان کی رائے میں اب بھی پچاس لاکھ سے زیادہ مخطوطات ایسے ہیں جو ابھی طبع نہیں ہو سکے۔ ان میں سے ایک بڑا حصہ یورپ اور امریکہ منتقل ہو چکا ہے۔ اگرچہ اس پر مسلمانوں کے ہاں بہت واویلا ہے کہ ہمارے ورثے کو لوٹ کر لے جایا گیا، لیکن علم کے ان لعل و گہر کو کوڑیوں کے دام بیچ دینے کے مجرم تو ہم خود ہیں۔ (۱۰۳)

ڈاکٹر فواد سیزگین نے **تاریخ تراث العربی** میں پوری دنیا میں موجود مکتبات میں اسلامی مخطوطات کی فہارس کو شائع کیا ہے۔ انھوں نے اس اشاعت میں ۱۶۷۳ فہارس کی معلومات دی ہیں اور ساتھ ہی ایک بہت مفید انڈیکس بھی ہے جس کے ذریعے ان فہارس کو تلاش کیا جاسکتا ہے۔ (۱۰۴)

۶۔ پاکستان میں مخطوطات کے مجموعے

برصغیر پاک و ہند میں خطاطی کی تاریخ مسلمانوں کی آمد کی تاریخ سے ہی منسلک ہے۔ قدیم مساجد، مقابر اور دوسرے آثار سے مسلمان حکمرانوں خاص طور پر سلاطین دہلی کے اعلیٰ ذوق خطاطی کا پتا چلتا ہے۔ مغلیہ دور میں اس فن کو عروج حاصل ہوا۔ بابر خود خطاط تھا۔ اس نے خط بابری کے نام سے ایک خط بھی ایجاد کیا شاہ جہاں کے دور میں اس فن کو مزید مقبولیت حاصل ہوئی۔ اورنگ زیب بھی خطاط تھے۔ اس فن کی بڑی خدمت نویں صدی ہجری میں سید علی ہجویری کی ہے انھوں نے خط نسخ اور خط تعلیق سے استنباط کر کے خط نستعلیق کو رواج دیا۔ (۱۰۵)

دنیا کے دوسرے حصّوں کی طرح برصغیر پاک و ہند میں علم خطی مسودات کے ذریعے پہنچا بھی اور پھیلا بھی، لیکن زیادہ تر مخطوطات لوگوں نے ذاتی حیثیت میں جمع کیے اور ان کو اپنی بساط کے مطابق محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کے ہاں ہمیشہ یہ کوشش ہوئی کہ علمی وراثت کو محفوظ رکھا جائے اور اس کو اگلی نسلوں تک پہنچایا جائے۔ لاہور میں فن خطاطی کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز مشہور خطاط امام ویردی (م ۱۸۸۰) کی آمد سے ہوا۔ مشہور ماہر جناب عبدالحمید پروین (م ۱۹۴۶ء) نے خط نستعلیق کے ضمن میں بہت شہرت پائی۔

۱۰۳۔ ظفر اسحاق انصاری، "افتتاحیہ" اسلام آباد، **فکر و نظر**، ۳۵: ۲-۳ (اکتوبر دسمبر ۱۹۹۷ء-جنوری-مارچ ۱۹۹۸ء)، ۱۰۔

۱۰۴۔ فواد سیزگین، **تاریخ التراث العربي**، نقله إلى العربي محمود فهمي حجاز، مراجعه عرفي مصطفىٰ، مجموعات المخطوطات العربية في مكتبات العالم (رياض: وزارة التعليم العالي، ۱۹۹۱ء)۔

۱۰۵۔ ایس ایم ناز، اردو میں **فنی تدوین**، ۲۳۵-۲۳۶۔

برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں کی محکومی کے باوجود ۱۸۸۸ء میں حیدر آباد دکن میں کچھ درد مند اور حساس مسلمانوں نے دائرۃ المعارف العثمانیۃ قائم کیا۔ اس دائرۃ المعارف نے نہ صرف مخطوطات جمع کیے، بلکہ ایک سو سال کے عرصے میں بہت سارے مفید اور نایاب مخطوطات پر تحقیق کر کے انھیں شائع بھی کیا۔ قرآن و سنت، فلسفہ، علم الکلام، طب، کیمیا اور طبعیات کے متعدد موضوعات پر مشتمل کئی مخطوطات دائرۃ المعارف کی کوششوں سے طبع ہوئے۔[۱۰۶]

برصغیر پاک و ہند میں دور استعمار ہی سے مخطوطات کی حفاظت کے لیے قانونی ضوابط ملتے ہیں۔ ان قوانین پر کبھی عمل ہوتا تھا اور کبھی نہیں، لیکن یہ قوانین بہرحال موجود ضرور تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ابتدائی طور پر مخطوطات سے متعلق انگریزی دور کے قوانین ہی نافذ العمل رہے؛ چناں چہ Ancient Monuments Preservation Act 1904 پاکستان میں ۱۹۶۸ء تک نافذ العمل رہا۔ بعد میں اس ایکٹ میں تبدیلی کر دی گئی اور پھر حتمی طور پر Antiquities Act 1975 کے ذریعے تبدیل کر دیا گیا۔ اس حوالے سے حکومت پاکستان نے وقتاً فوقتاً کئی قواعد وضوابط بھی بنائے ۔ ان قواعد وضوابط کے ذریعے نادر اور نایاب چیزوں کو جمع کرنے اور محفوظ بنانے کے لیے قانونی طریقۂ عمل تیار کرنے کی کوشش کی گئی۔ انھی قواعد وضوابط کی مدد سے قومی میوزیم اور نیشنل آرکائیو کے حوالے سے ادارے قائم ہوئے۔ آزادی کے بعد کئی سال تک وفاقی حکومت کے Department of Archaeology and Museums نے نوادرات کے جمع اور ان کی حفاظت کا کام کیا۔ اس حوالے سے Sir John Marshall کے ۱۹۶۰ء کے مدون کیے ہوئے Conservation Manual کو بنیادی لائحۂ عمل کی حیثیت حاصل تھی۔ اس حوالے سے حکومت پنجاب نے ایک Conservation Cell بھی بنایا۔ اس سیل نے محکمہ اوقاف کی مدد سے قدیم نوادارت کو جمع کرنے اور ان کی حفاظت کے لیے مفید کام کیا۔ بعد میں اسی سیل کو حکومت پنجاب کا Archaeological Department بنا دیا گیا۔ قدیم نوادرات کو جمع کرنے، ان کی خرید و فروخت اور منتقلی کے حوالے سے متعدد قوانین پاکستان میں موجود ہیں۔ Land Acquisition Act، Customs Act اور National

---

۱۰۶– ظفر اسحاق انصاری، مصدر سابق، ۱۱۔

Fund for Cultural Harritage Act جیسے قوانین ان میں شامل ہیں۔ اسی حوالے سے صوبوں کے کچھ قواعد بھی بہت اہم ہیں۔[۱۰۷]

قیام پاکستان کے فوراً بعد ۱۹۴۸ء میں Historical Record and Archieve Commission of Pakistan کا قیام مخطوطات کی فہرست کی تیاری کے لیے عمل میں لایا گیا۔ یہ کمیشن ایک وفاقی وزیر کی سربراہی میں قائم کیا گیا تھا اور اس میں نام ور ماہرین تاریخ اور صوبوں کے نمائندے بھی شامل تھے۔ اس کمیشن کے متعدد اجلاس ہوئے۔ اس کمیشن نے قلمی نسخوں، دستاویزات اور دوسری تاریخی اور ثقافتی اہمیت کی حامل اشیا کے سروے کروائے اور ان کی حفاظت کے لیے کئی قابل عمل سفارشات دیں۔ ۱۹۷۰ء میں اس کمیشن کی جگہ National Archieve of Pakistan کے نام سے ایک نیا ادارہ قائم کیا گیا۔ اس ادارے نے قلمی نسخوں اور دستاویزات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اسلام آباد میں جمع کیا۔ نیشنل آرکائیوز کی کوششوں ہی سے پاکستان میں مخطوطات کی حفاظت اور ان کے حصول کے لیے درج ذیل قانون سازی ہوئی:

۱. قدیم دستاویزاتی اشیا کے تحفظ اور برآمدی انضباط کا قانونی مجریہ ۱۹۷۵ء
۲. پاکستان کے سرکاری ریکارڈ نیز تاریخی اور قومی نوعیت کی قدیم دستاویزات کو تحویل میں لینے اور ان کے تحفظ کا قانون مجریہ ۱۹۹۳ء

اس قانون سازی کے علاوہ پاکستان میں موجود مخطوطات کے حوالے سے کئی سروے بھی ہوئے۔ اس ضمن میں سب سے پہلا سروے انڈیا آفس لائبریری اینڈ ریکارڈ لندن کے ڈپٹی ڈائریکٹر مسٹر مارٹن موئر نے کیا۔ اس سروے کا خاص ہدف صوبائی اور ضلعی سطح پر موجود ریکارڈ کی نشان دہی کرنا اور ان کے متعلق ضروری معلومات کو جمع کرنا تھا۔ مخطوطات کے حوالے سے حکومت پاکستان، وزارت ثقافت نے ۱۹۸۲ء میں عجائب گھروں، بڑے بڑے کتب خانوں اور نجی ذخیروں میں موجود تحریری مواد کے حوالے سے سروے کروایا۔ یہ سروے ڈاکٹر زوار حسین زیدی سینئر ریسرچ فیلو، سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز لندن کی زیر نگرانی مکمل ہوا۔ ان جائزوں کی وجہ سے پاکستان میں مخطوطات کے مکان اور تعداد کے حوالے سے سے درج ذیل معلومات حاصل ہوئیں:

نمبر شمار	نام ادارہ	مقام	تعداد مخطوطات
۱	سندھ یونی ورسٹی لائبریری	جامشورو	۶۲۵

107– Muhammad Rafique Mughal (ed) *Legislations for the Protection and Management of Archiological Heritage of Pakistan* (Karachi: Development of Archaeology and Museum, 1995), 1-11.

۲	سندھ پروونشل میوزیم لائبریری	حیدر آباد	۳۷۵
۳	شمس العلماء داؤد پوتہ لائبریری	حیدر آباد	۹۴
۴	شاہ ولی اللہ اکادمی	حیدر آباد	۳۵۰
۵	انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی	جامشورو	۴۵۰
۶	سندھ ادبی بورڈ	حیدر آباد	۳۹۲
۷	نیشنل میوزیم آف پاکستان	کراچی	ملک کا دوسرا بڑا مجموعہ مخطوطات
۸	ہمدرد فاؤنڈیشن لائبریری	کراچی	۶۰۰
۹	ڈویژنل پبلک لائبریری	خیر پور	۱۲۰۰
۱۰	بہاول پور سنٹرل لائبریری	بہاولپور	۲۰۰
۱۱	پنجاب یونی ورسٹی لائبریری	لاہور	۱۸۶۷۱
۱۲	لاہور میوزیم	لاہور	۸۰۰
۱۳	پنجاب پبلک لائبریری	لاہور	۱۱۰۰
۱۴	دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری	لاہور	۸۰۰
۱۵	ایران پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف پرشین سٹڈیز	راولپنڈی	۱۰۰۰۰
۱۶	نیشنل لائبریری آف پاکستان	اسلام آباد	۲۰۰
۱۷	قائداعظم یونی ورسٹی لائبریری	اسلام آباد	۲۶۶
۱۸	نیشنل آرکائیوز آف پاکستان	اسلام آباد	۲۰۰
۱۹	پشاور یونی ورسٹی لائبریری	پشاور	۶۸۵
۲۰	اسلامیہ کالج لائبریری	پشاور	۱۲۰۰
	میزان		۳۸۲۰۸

سروے کے مطابق اگر نیشنل میوزیم کراچی کے مخطوطات کی اندازاً تعداد ۱۵۰۰۰ تصور کرلی جائے تو پورے ملک میں ان معروف اداروں میں مخطوطات کی مجموعی تعداد پچپن ہزار بنتی ہے۔ اس اندازے میں مخطوطات کی تعداد میں وقتاً فوقتاً ہونے والے اضافوں کو شامل کرلیا گیا ہے۔

اس سروے سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ بیش تر اداروں اور کتب خانوں میں مخطوطات کے تحفظ کا کوئی معقول بندوبست نہیں اور مخطوطات کی ایک بڑی تعداد خستگی کا شکار ہے۔ اس کی وجہ موسمی اثرات اور تیزابیت ہوتی ہے۔ سوائے چند اداروں کے مخطوطات کی مرمت اور بحالی کی سہولتیں موجود نہیں۔ ۱۹۹۲ء میں نیشنل آرکائیوز آف پاکستان نے نیدر لینڈ لائبریری ڈیویلپمنٹ پراجیکٹ (پاکستان) کے تعاون سے ایک اور سروے منتخب لائبریریوں میں کروایا۔ اس سروے میں حسب ذیل اعداد ملے:

نمبر شمار	کتب خانہ جات / ادارے	مقام	تعداد مخطوطات
۱	پنجاب پبلک لائبریری	لاہور	۱۶۰۰
۲	دیال سنگھ ٹرسٹ لائبری	لاہور	۱۰۰۰
۳	پنجاب یونی ورسٹی لائبریری	لاہور	۲۰۰۰۰
۴	نیشنل لائبریری آف پاکستان	اسلام آباد	۲۰۰
۵	نیشنل آرکائیوز آف پاکستان	اسلام آباد	۲۰۰
۶	پنجاب یونی ورسٹی سنٹرل لائبریری	پشاور	۷۰۰

ان جائزوں کی روشنی میں پاکستان میں موجود مخطوطات کے جائزوں سے دل چسپ معلومات سامنے آئیں۔ یہ معلومات ایک طرف ان مخطوطات کی قدر و قیمت کی نشان دہی کرتی ہیں تو دوسری طرف ان کی طرف عدم توجہی کے خطرناک رجحان سے آگاہ بھی کرتی ہیں۔ پاکستان میں موجود مخطوطات صرف عربی، فارسی اور اردو میں ہی نہیں، بلکہ برصغیر کی دوسری زبانوں میں بھی ہیں؛ مثلاً پنجاب یونی ورسٹی میں جو مخطوطات ہیں ان میں Woolner Collection میں سنسکرت زبان میں بھی مخطوطات موجود ہیں۔ ان مخطوطات میں ایسے مخطوطات بھی ہیں جو پام کے پتوں اور درخت کی چھال پر لکھے گئے ہیں۔ اس چھال کو Birch Bank کہا جاتا ہے۔[۱۰۸]

لاڑکانہ میں پروفیسر چمن داس کے ذخیرہ کتب میں ہندی اور سنسکرت میں تحریر کیے گئے مخطوطات بھی موجود ہیں۔[۱۰۹]

۱۰۸۔ یہ چھال بھوج پتر نسل کے ایک درخت غوش سے لی جاتی ہے۔ اس درخت کی شاخیں پتلی، پتے چھوٹے اور چھال سفید اور چکنی ہوتی ہے۔ دیکھیے: **قومی انگریزی اردو لغت** (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۴ء)، ص ۱۸۹۔

۱۰۹۔ مسعود احمد خان، "مخطوطات کا ایک تفصیلی جائزہ"، اسلام آباد، **فکر و نظر**، ۳۵: ۳-۲ (۱۹۹۷ء-۱۹۹۵ء)، ۴۷۔

ان جائزوں سے بات واضح ہوئی کہ پاکستان میں موجود مخطوطات کی مناسب حفاظت نہیں کی جاتی۔ ان مخطوطات کو تنگ و تاریک گوشوں میں رکھا جاتا ہے۔ یہ مخطوطات کیڑے مکوڑوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ ان کی مناسب صفائی ہے اور نہ موسمی اثرات سے بچانے کے لیے ہی کوئی انتظام ہے۔ مخطوطات کی بحالی اور مرمت کا کوئی معقول بندوبست نہیں ہے اور ان کی جلد سازی بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ کچھ کتب خانوں میں ان مخطوطات کی فوٹو کاپی وغیرہ کرنے کی وجہ سے بھی ان کی حفاظت متاثر ہوئی ہے۔ (۱۱۰)

۷۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کے علمی نوادرات

ادارہ تحقیقات اسلامی کا کتب خانہ علوم اسلامیہ کی کتابوں پر مشتمل ایک اہم خزینہ ہے۔ اس کتب خانے میں اسلامی اور یورپی زبانوں میں اتنا مواد موجود ہے کہ ان کی مدد سے کسی بھی اسلامی موضوع پر شان دار تحقیق کی جاسکتی ہے۔ اگرچہ باقاعدہ طور پر ادارہ ۱۹۶۰ء میں قائم ہوا، لیکن ۱۹۵۴ء میں مولانا عبدالعزیز میمن نے کتب خانے کے قیام سے ادارے کی بنیاد رکھ دی۔ انھوں نے نہ صرف ادارے کے لیے کتب کو جمع کرنے کا آغاز کیا، بلکہ ادارے میں نوادرات کو جمع کرنے کا کام بھی شروع کیا۔ اس ضمن میں انھوں نے مصر، شام، تیونس، الجزائر، سعودی عرب، عراق کے علاوہ ترکی اور ہندوستان سے نادر اور بیش قیمت کتابیں خریدنے کے لیے سفر کیے اور وہاں سے نہ صرف کتابیں حاصل کیں، بلکہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے لیے نادر اور نایاب مخطوطات بھی حاصل کیے۔ مولانا عبدالعزیز میمن کی طرح جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بھی ادارے کے لیے عمدہ کتابوں میں بہت دل چسپی لی۔ یورپ کے اسفار کے دوران میں انھوں نے بھی ادارے کی لائبریری کے لیے کتابیں جمع کیں۔ ادارہ تحقیقات اسلامی نے ہمیشہ جدید و قدیم کے درمیان توازن برقرار رکھا ہے۔ تحقیق کے لیے اسلامی بنیادی مصادر کے ساتھ ساتھ یورپی زبانوں میں کتابوں کی شدید ضرورت ہے اس لیے ادارے نے عربی زبان میں تحقیق و تدریس کے لیے امہات الکتب بھی جمع کی ہیں اور ساتھ ہی یورپی تالیفات بھی اس حوالے سے جمع کی گئی ہیں۔ ادارہ تحقیقات اسلامی میں نوادرات اور کتب کو جمع کرتے ہوئے یہ کوشش کی گئی کہ اسلامی مضامین سے متعلق لٹریچر خواہ وہ دنیا کی کسی بھی زبان اور کسی بھی کونے میں کیوں نہ ہو، اسے جمع کیا جائے۔ اسی بنیاد پر عربی، اردو، فارسی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن، ترکی، انڈونیشی، ڈچ اور روسی زبان میں کتابیں بھی ادارے کی لائبریری میں جمع کی گئیں۔ (۱۱۱)

۱۱۰۔ مسعود احمد خان، نفس مصدر، ۴۶-۴۷۔

۱۱۱۔ احمد خان، "ادارہ تحقیقات اسلامی کا کتب خانہ"، اسلام آباد، **فکر و نظر**، ۱۳: ۱۱ (مئی ۱۹۷۶ء)، ۱۲۶-۱۲۷۔

ادارے میں موجود مواد علوم اسلامیہ کے متنوع موضوعات سے متعلق ہے۔ قرآن مجید اور علوم القرآن، تفسیر، حدیث اور علوم حدیث، رجال سیرت، تراجم صحابہ، تمام فقہی مکاتبِ فقہ بہ شمول شیعہ فقہ، تاریخ اسلام، سفر نامے، جغرافیہ وغیرہ موضوعات پر کتب ادارے کی محمد حمید اللہ لائبریری کا حصہ ہیں۔ ان کے علاوہ فلسفہ، اقتصادیات، معاشیات اور سیاسیات، اسلامی فرقوں، مناظرہ اور علم الکلام سے متعلق کتابیں بھی ادارہ تحقیقات اسلامی کی لائبریری میں شامل ہیں۔ عربی زبان و ادب، تقابل ادیان، لغات، حوالہ جات اور انسائیکلوپیڈیا کی بہت سی کتابیں بھی ادارے کی لائبریری میں شامل ہیں۔ لائبریری میں اقبالیات، علم القانون اور تاریخ پاک وہند سے متعلق کتابیں بھی موجود ہیں۔ [۱۱۲]

ادارہ تحقیقات اسلامی کے قیام سے ہی کتب کے ساتھ ساتھ مجلات اور رسائل کو جمع کرنے کی طرف توجہ بھی کی گئی۔ یورپی زبانوں میں انگریزی، جرمن، اطالوی، ہسپانوی، فرانسیسی اور ایشیائی زبانوں میں عربی، فارسی، اردو، ترکی، روسی اور انڈونیشی اور دیگر اہم زبانوں میں موجود رسائل و مجلات بھی ادارے کی لائبریری کا حصہ بنے۔ ادارے کے تحقیقی مجلات **فکر و نظر**، *Islamic Studies* اور **الدراسات الإسلامية** کے تبادلے کا نظام ہونے کی وجہ سے بھی ادارے کو ان مجلات کے حصول میں بڑی آسانی ہوئی۔ امریکا کی راک فیلر فاؤنڈیشن اور ایشیاء فاؤنڈیشن نے بھی ادارے کی لائبریری کے حوالے سے مدد کی۔ [۱۱۳]

ادارے میں کتابیں جمع کرنے کا شوق ہی اس ادارے میں نادر اور نایاب کتب اور مخطوطات کو جمع کرنے کا سبب بنا۔ نوادر کو جمع کرنے اور نایاب مسودات کو لائبریری میں لانے کی خواہش اور جدوجہد کی وجہ سے بہت سی نایاب اور نادر کتب جمع ہو گئیں۔ کئی نادر کتب ایسی ہیں جو مصنّفین نے اپنے دست خطوں کے ساتھ کسی کو پیش کیں اور وہ ادارے کو ہدیہ کر دی گئیں۔ اسی طرح ایسی کتب جو مطبع ایجاد ہونے کے بعد ۱۵۹۳ء میں طبع ہوئیں وہ بھی ادارے کی لائبریری کا حصہ بن گئیں۔ [۱۱۴]

۱۱۲— ادارہ تحقیقات اسلامی کی ڈاکٹر محمد حمید اللہ لائبریری کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: احمد خان، مصدر سابق، ۱۲۷؛ عبد القدوس ہاشمی، "کتب خانہ کے علمی نوادر"، اسلام آباد، **فکر و نظر**، ۱۳: ۱۱ (مئی ۱۹۷۶ء)، ۱۳۴۔

۱۱۳— احمد خان، مصدر سابق، ۱۲۹۔

۱۱۴— احمد خان، "ادارہ تحقیقات اسلامی کا کتب خانہ" مصدر سابق، ۱۳۰؛ محمد ساجد مرزا، رستم خان، "ادارہ تحقیقات اسلامی کا مکتبہ اور مطبع: وسائل و خدمات، اسلام آباد، **فکر و نظر**، ۵۵: ۱– ۲ (جولائی–دسمبر ۲۰۱۷ء)، ۳۰۳۔

ادارہ تحقیقات اسلامی میں موجود نادر مخطوطات اور مائیکر و فلمیں قومی اور بین الاقوامی محققین کی توجہ کا مرکز ہیں۔ ادارے نے اس ضمن میں کئی مخطوطات اور مائیکر و فلموں کے فوٹو اسٹیٹ بنوا کر اہل علم حضرات کو علمی اغراض سے تحقیقی کاموں میں معاونت کے لیے دیے ہیں۔ ادارے کے نایاب اور نادر مخطوطات کی عوام الناس کے ہاں شناسائی بہم پہنچانے کے لیے ان کی نمائش کرنے کا انتظام بھی ادارے کے اندر ہی موجود ہے۔ ادارے کا دورہ کرنے والی نام ور شخصیات نے ادارے میں موجود مخطوطات کے حوالے سے بے پناہ مسرت اور خوشی کا اظہار کیا ہے۔ مفتی دیار شام احمد کفتارو ۱۹۶۶ء میں ادارے میں تشریف لائے تو انھوں نے ادارے کے کتب خانے کے نوادرات کے حوالے سے درج ذیل کلمات تحریر کیے:

> اس کتب خانے میں موجود اسلامی امہات الکتب اور وہ جن کی مائیکر و فلمیں بنائی گئیں ہیں، انھیں دیکھ کر ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ بلاشبہ یہ مسلمانوں کا قیمتی اور علمی ورثہ محفوظ کیا گیا ہے۔(۱۱۵)

عرب ریاست ہائے متحدہ کے چیف جسٹس جناب احمد عبدالعزیز المبارک جب پاکستان کے دورے پر آئے تو انھوں نے کتب خانے کے نوادرات کے متعلق تحریر فرمایا:

> میں نے ادارہ تحقیقات اسلامی کو دیکھا، اس کے کتب خانے میں موجود بیش قیمت کتابوں اور مخطوطات کو، جن کی اسلامی ورثے کے احیا میں بہت اہمیت ہے، دیکھ کر آنکھ کی طراوت اور قلب کو ٹھنڈک نصیب ہوئی۔(۱۱۶)

ادارہ تحقیقات اسلامی میں ۲۶۱ مخطوطات اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں، جب کہ ۶۰۶ مخطوطات کی مائیکر و فلمیں ادارے کی لائبریری کا حصہ ہیں۔ مزید بر آں ۱۰۱۳ مخطوطات کی عکسیات ادارے کی لائبریری کا حصہ ہیں۔ ادارے کو بہت سارے مخطوطات اور نوادر علمی شخصیات نے اور کئی مخطوطات سیاسی شخصیات نے عطیے کے طور پر دیے۔ ان شخصیات میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان (۱۹۰۷ء– ۱۹۷۴ء) سابق صدر پاکستان (۱۹۵۸ء– ۱۹۶۹ء)، جناب جنرل محمد ضیاء الحق (۱۹۲۴ء– ۱۹۸۸ء) سابق صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان (۱۹۷۸ء– ۱۹۸۸ء) اور جناب جسٹس نسیم حسن شاہ (۱۹۲۹ء– ۲۰۱۵ء) شامل ہیں۔ ادارے کی لائبریری میں نادر مخطوطات اور کتب کی کل تعداد ۲۵۰۰۰ کے قریب ہے۔(۱۱۷)

۱۱۵– احمد، مصدر سابق، ۱۳۲۔

۱۱۶– نفس مصدر، ۱۳۲۔

۱۱۷– تفصیل کے لیے دیکھیں: رجسٹر مخطوطات، شعبہ حصول کتب و تکنیکی امور، ڈاکٹر محمد حمید اللہ لائبریری، ا؛ سید فیاض علی، ”ادارہ تحقیقات اسلامی کا کتب خانہ“ اسلام آباد، فکر و نظر، ۱۲: ۱۹ (۱۹۸۲ء)، ۵۸؛ قاضی محمد اشرف، ”ادارہ تحقیقات

ادارے میں جو نوادرات اور مخطوطات ہیں ان میں سے چند کا ایک تعارف حسب ذیل ہے:

۱–قرآن کریم (پارہ نمبر ۳۰)

ادارے کے نوادرات میں یہ قدیم ترین مخطوطہ ہے جو کہ ۷۷۰ھ / ۱۳۶۸ء میں القاہرہ میں تحریر کیا گیا۔ قرآن کا یہ تیسواں پارہ ادارے میں داخلہ نمبر ۳۷۴۸ کے تحت مندرج ہے۔ یہ ۹۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی تقطیع 3X5 / ½ 5X6، ۵ سطری ہے۔ یہ مخطوطہ نسخ قدیم الخط میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس مخطوطے کا سرورق (مطلا) سونے کے پانی سے تحریر کیا گیا ہے۔ مخطوطے کی اگرچہ چمک ماند پڑ گئی ہے لیکن واضح طور پر اس کو پڑھا جاسکتا ہے۔

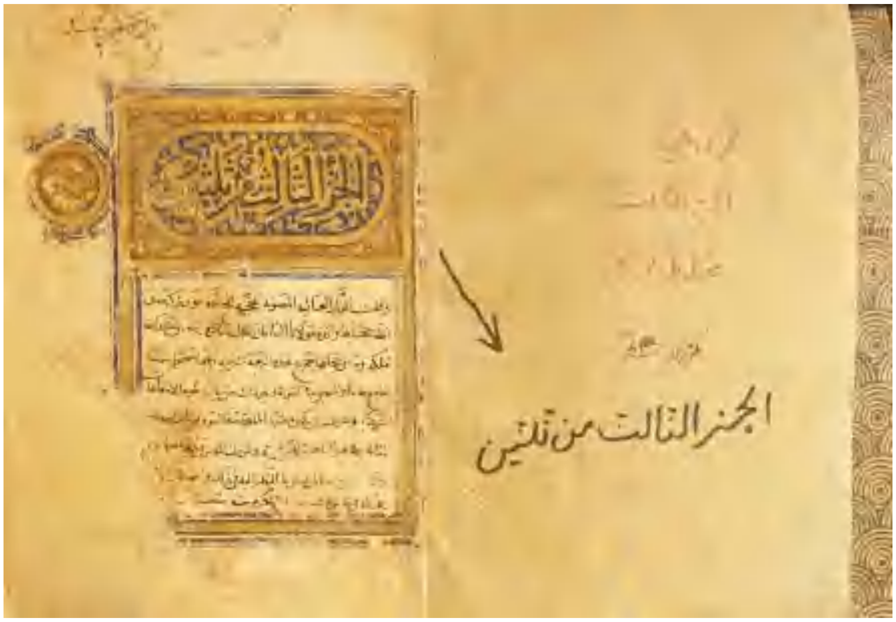

تصویر نمبر ۱۵: قرآن مجید کے مخطوط کا صفحہ (فولیو) نمبر ۱–۲

اسلامی کا کتب خانہ"، اسلام آباد، فکر و نظر، ۱۱: ۶ (۱۹۶۹ء)، ۸۶۸؛ محمد ساجد مرزا، رستم خان، "ادارہ تحقیقات اسلامی کا مکتبہ اور مطبع: وسائل و خدمات"، اسلام آباد، فکر و نظر، ۵۵: ۱–۲ (جولائی–دسمبر ۲۰۱۷ء)، ۳۰۳۔

تصویر نمبر ۱٦: قرآن مجید کے مخطوط کا صفحہ نمبر ۳-۴

اس مخطوطے پر عربی میں تحریر ہے کہ

کتب في عهد الملك الأشرف شعبان الثاني من المماليک البحرية

(٧٦٤-٧٧٨ھ / ١٣٦٣-١٣٧٧ء)

(یہ سلطان اشرف شعبان ثانی (٧٦٤-٧٨٨ھ) کے عہد میں لکھا گیا ہے۔)

اس مخطوطے کو قطنی کاغذ پر تحریر کیا گیا ہے۔ یہ کاغذ مصر میں بنتا تھا اور یہ مخطوطہ بھی وہیں پر تحریر کیا گیا۔ یہ مخطوطہ سمردودی سیاہی سے تحریر کیا گیا ہے۔ اس نسخے میں آیات اور وقف کے نشانات بھی موجود ہیں۔ یہ نشانات بعض جگہوں پر سونے سے تحریر کیے گئے ہیں۔ اس مخطوطے کے سرورق پر داہنی جانب ایک مہر کی چھاپ ہے اور آخری صفحہ پر بھی ایک دوسری مہر ہے۔ دونوں مہریں بہت نمایاں ہیں اور یہ اس دور کے رواج کی عکاسی کر رہی ہیں۔[۱۱۸]

۲- قرآن مجید کا قاضی سید عبد اللہ لطفی وسید اسمٰعیل حلمی کا تحریر کردہ نسخہ (داخلہ نمبر ۷۴۷۴)

قرآن پاک کا یہ خطی نسخہ ٦١٠ صفحات پر مشتمل ہے جب کہ اس کی تقطیع ہے 3X5 / 5X 8 ¼ یہ ۱۵ اسطری مخطوطہ ہے، جب کہ اس نسخے کے بعض مقامات مطلا (سونے کے پانی سے تحریر کردہ) ہیں۔ اس کے حاشیہ

۱۱۸- عبد القدوسی ہاشمی، "کتب خانے کے علمی نوادرات"، اسلام آباد، فکر و نظر، ۱۳: ۱۱ (مئی ۱۹۷٦ء)، ۱۳٦؛ قاضی محمد اشرف، "ادارہ تحقیقات اسلامی کا کتب خانہ"، اسلام آباد، فکر و نظر، ٦: ۱۱ (مئی ۱۹٦۹ء)، ۸۷۱۔

پر پھول بوٹے بنے ہوئے ہیں اس لیے اسے مشجر کہا جاسکتا ہے۔ اس نسخے کے کاتب قاضی سید عبداللہ لطفی اور سید اسماعیل حلمی ہیں۔ یہ نسخہ قدہ جار ویدانی (ترکی) میں ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء میں تحریر کیا گیا۔ یہ مخطوطہ خط نسخ کا بہترین نمونہ ہے۔ اس مخطوطہ میں آیات اور وقف کے نشانات مطلا ہیں۔ آیات کے نشانات دائروں میں ہیں جب کہ ان کے سائز بھی مختلف ہیں۔ ان دائروں کے درمیان متعدد لکیریں ہیں جو کہ ایک خوبصورت منظر پیش کرتی ہیں۔ سورہ کا نام بہت خوب صورت انداز سے سفید سطح پر کاشغری سے تحریر کیا گیا ہے جب کہ حجم پر طلائی شجر کاری ہے۔ اس مخطوطے کو تحریر کرنے کے لیے باریک عمدہ قسم کا قصبی کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔ اس نسخے پر سفیدہ کاشغری اور جواہر محلول کے نقش و نگار ہیں۔ یہ نقش و نگار ترکی فن کاری اور خطاطی کا شاہ کار ہیں۔[١١٩]

اس نسخے کے اختتام پر کاتب سید اسماعیل حلمی تلمیذ حسن الرضائی کی تحریر ہے۔ اس تحریر میں انھوں نے لکھا ہے کہ اس مصحف کے پچیس پارے وسط ربیع الاوّل ۱۲۸۷ھ تک تحریر کیے گئے تھے۔ اس کے آخر میں دعا ختم قرآن تحریر کی گئی ہے۔ اس دعا کے آخر میں کاتب سید عبداللہ لطفی لکھتا ہے کہ وسط محرم ۱۲۸۷ھ میں یہ دعا لکھ رہا ہے۔[١٢٠]

قاضی محمد اشرف اس نسخے کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کاتب کو اس نسخے کی تحریر کی تاریخ لکھنے میں سہو ہوا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کاتب نے ربیع الاوّل ۱۲۸۷ھ تک ۲۵ پارے تحریر کیے ہوں گے اور محرم ۱۲۸۸ء میں دوسرے کاتب نے بقیہ حصے کی تکمیل کی ہو گی۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ نسخہ ایک ہی وقت میں مکمل نہیں ہوا؛ چناں چہ اس مخطوطہ پر کی گئی طلاکاری اور سفیدہ کی تحریر واضح طور پر نشان دہی کر رہی ہے کہ اس نسخے کی تکمیل کچھ دنوں بعد کی گئی۔ وہ سفید تحریریں جو سفیدہ کاشغری سے سورتوں کی ابتدا میں کی گئی ہیں واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ یہ تحریریں کسی دوسرے کی ہیں۔ اصل کاتب کی نہیں۔ گل کاری کرنے والا خطاط نہیں تھا، اس لیے سفیدہ کاشغری کی جو تحریریں پائی جاتی ہیں ان کا خط ناپختہ ہے۔[١٢١]

١١٩۔ قاضی محمد اشرف، نفس مصدر، ۸۱۱ ؛ عبدالقدوس ہاشمی، نفس مصدر، ۱۳۵ ؛ رجسٹر مخطوطات، ادارہ تحقیقات اسلامی، صفحہ نمبر ۱۔

١٢٠۔ قرآن مجید، کاتب عبداللہ لطفی و اسماعیل حلمی (۱۲۸۷ء)، ادارہ تحقیقات اسلامی، مخطوطہ نمبر ۷۴۷۳، ص ۶۱۰۔ ۶۰۷۔

١٢١۔ قاضی محمد اشرف، نفس مصدر، ۸۷۲۔

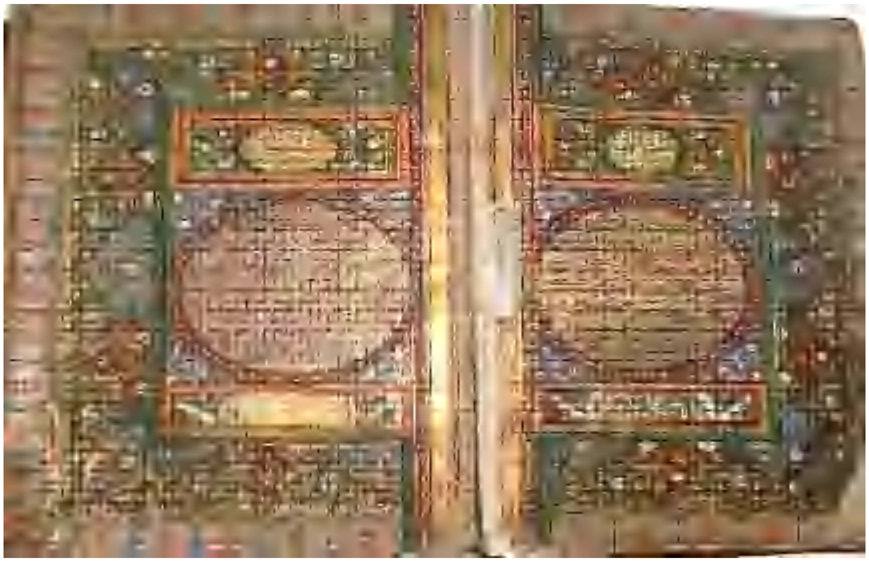

تصویر نمبر ۱۷: قرآن مجید کے قاضی سید عبداللہ لطفی کے تحریر کردہ نسخے کا عکس صفحہ نمبر ۱-۲

تصویر نمبر ۱۸: قاضی سید عبداللہ لطفی کے تحریر کردہ قرآن مجید کا عکس صفحہ نمبر ۳-۴

۳- قرآن مجید قلمی مع ترجمہ و حواشی فارسی (مخطوط نمبر ۹۵)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) کی زندگی میں ہی تحریر کردہ یہ مصحف شاہ صاحب کے مشہور و معروف فارسی ترجمہ فتح الرحمٰن کے ساتھ ہے۔ اس ترجمے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ترجمہ شاہ ولی اللہ کے شاگرد سعید نور شاہ نے شاہ صاحب کو سنایا اور ان سے اس ضمن میں اجازت بھی حاصل کی تھی۔ یہ اجازت شاہ صاحب نے خود اس مصحف کے سرورق پر تحریر کی ہے اور اپنے دست خط ثبت کیے ہیں۔ یہ مخطوطہ دستی کاغذ پر تحریر کیا گیا ہے، جب کہ اس تحریر کے لیے صمغ دودی و سرخ روشنائی استعمال کی گئی ہے۔ یہ نسخہ معمول کے خط میں تحریر کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ مکمل حالت میں اور ادارے کے نوادارت کا حصہ ہے۔(۱۲۲)

تصویر نمبر۱۹: یہ شاہ ولی اللہ کی اس تحریر کا عکس ہے جس میں انھوں نے اپنے شاگرد سید نور شاہ کو اجازت فراہم کی ہوئی ہے۔، قرآن مجید قلمی نسخہ صفحہ نمبر الف۔ب

۱۲۲- عبدالقدوس ہاشمی، "کتب خانے کے علمی نوادرات"، نفس مصدر، ۱۳۵- ۱۳۶۔

تصویر نمبر ۲۰: شاہ ولی اللہ کی اجازت سے ان کی زندگی میں تحریر کردہ مصحف قرآن مجید کا عکس

یہ نایاب نسخہ ایک قدیم کتابیں فروخت کرنے والے کتب فروش کے پاس تھا۔ اسے ادارے کے کسی محقق نے فٹ پاتھ پر میلوڈی کے قریب دیکھا تو ۴۰۰ روپے میں خرید کر ادارے کی لائبریری کو ہدیہ کر دیا۔[۱۲۳]

۴۔ قرآن مجید قلمی مع ترجمہ و حواشی فارسی کاتب عبدالحکیم

قرآن کا یہ نسخہ مع ترجمۂ فارسی خط نسخ میں سیاہ روشنائی سے تحریر کیا گیا ہے، جب کہ اس کے حواشی حاشیہ پر موجود ہیں۔ اس کی تقطیع (9X16.5 / 9X16.5) ہے۔ اس نسخے کے ہر صفحے پر ۱۱ سطور ہیں، جب کہ فارسی ترجمہ بین السطور ہے۔ یہ نسخہ سرخ روشنائی سے تحریر کیا گیا ہے کہ جب کہ خط نستعلیق میں فارسی ترجمہ تحریر کیا گیا ہے۔ مخطوط کے آغاز میں پانچ ورق زائد ہیں۔ صفحہ نمبر ا پر شیخ بہاؤالدین عاملی سے منقول طریقہ اخذ نال از قرآن مجید، صفحہ ۲ تا ۵ فال نامہ باعتبار حروف، صفحہ ۶۔ ۷ طریق استخارہ از کلام اللہ ہے۔ صفحہ ۸ خالی ہے جب کہ صفحہ نمبر ۹ پر حصول نسخہ سے متعلق در محمد ولد اخوند احمد خان کا نوٹ فارسی زبان میں ہے اور اس پر ۲۰ ذوالحجہ ۱۲۹۰ھ کی تاریخ بھی درج ہے۔ اس تاریخ سے نسخے کی قدامت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس مخطوط کا صفحہ نمبر ۱۰ خالی ہے جب کہ مخطوط کے آخر میں ایک زائد ورق ہے۔ جس پر ایک جانب دعاے حضرت علی کرم اللہ وجہہ بعد از تلاوت درج ہے،

۱۲۳۔ رجسٹر مخطوطات، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۳۔

جب کہ دوسری جانب دعاے ختم قرآن درج ہے۔ یہ نسخہ سابق صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کو ہدیہ کیا گیا تھا جسے انھوں نے ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کو ہدیہ کر دیا۔ اس مخطوط کے کل صفحات ۴۶۳ ہیں۔[۱۲۴]

تصویر نمبر ۲۱: مصحف قرآن کے عبدالحکیم کے تحریر کردہ قلمی نسخے کا ایک صفحہ

۵- قرآن مجید کا مخطوطہ بقلم حافظ محمد زکریا سید پوری

۱۲۴۸ھ میں تحریر کیا گیا یہ مخطوطہ ۵۱۰ صفحات پر خط نسخ میں متن قرآن کے ساتھ ہے۔ یہ قلمی نسخہ مخطوطہ نمبر ۹۳ کے تحت ادارہ تحقیقات اسلامی میں درج ہے، جب کہ لائبریری میں اس کا اندراج نمبر ۲۱۹۶۵۔ اس کی تطقیع 9x16.2 ہے۔ اسے سیاہ روشنائی سے تحریر کیا گیا ہے، جب کہ سرخ رنگ کی دو لائنوں پر مشتمل حاشیہ اس قرآن پاک پر موجود ہے۔ اس نسخے کے ابتدائی صفحات کی مرمت کی گئی ہے۔ پہلے دو صفحے میں سیاہی بہت مدہم ہے اور پڑھنے میں دشواری ہے۔[۱۲۵] آخری صفحہ پر درج ذیل عبارت درج ہے۔

۱۲۴- رجسٹر مخطوطات، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۶۔

۱۲۵- رجسٹر مخطوطات، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۲۔

تمام شد کلام مجید بعون الله تعالیٰ في التاریخ دواز دهم ماه جمادی الاوّل۔ دستخط فقیر حقیر مسکین حافظ محمد زکریا ساکن سید پور غفر الله له ولوالدیه۔[۱۲۶]

تصویر نمبر ۲۲: عربی متن کے ساتھ حافظ محمد زکریا سید پوری کے تحریر شدہ نسخہ کا عکس

یہ مخطوط جناب غلام سرور خطیب جامعہ مسجد خضر سیکٹر F-6/2، اسلام آباد نے ادارے کو ہدیہ کیا تھا۔

۶۔ مخطوط قرآن مجید مخطوطہ نمبر ۲۸۲

قرآن مجید کا یہ خطی نسخہ خط نسخ کے ساتھ طلاکاری (سونے کے پانی) سے تحریر کا خوب صورت نمونہ ہے۔ اس کی تقطیع (4.2x7.3) ہے، جب کہ ہر صفحے پر ۱۱ سطور ہیں۔ قرآن مجید کا متن سیاہ روشنائی سے تحریر کیا گیا ہے، جب کہ وقف کی علامت سرخ رنگ کی ہے۔ پہلے چار صفحات مکمل طور پر طلاکاری پر مشتمل ہیں، جب کہ باقی صفحات میں وقف کے دائرہ حاشیہ کی لائن اور ہر صفحے پر درمیان کا نصف طلاکاری سے تحریر شدہ ہے۔ حاشیہ تین لائنوں پر مشتمل ہے، جب کہ دو لائنوں کے درمیان طلاکاری ہے۔ یہ نسخہ سرخ رنگ کے چمڑے کی مضبوط جلد کے ساتھ مدوّن کیا گیا ہے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کو یہ نسخہ محترمہ پروین قادر آغا سابق وفاقی سیکرٹری اور سابق نائب

۱۲۶۔ مصحف قرآن مجید بقلم حافظ محمد زکریا سید پوری، سنہ ۱۲۴۸ھ، ۵۱۰۔

صدر بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی نے ۲۰۱۸ء میں ہدیہ کیا۔ یہ نسخہ ان کے شوہر جناب آغا افضل حسین (سابق سیکرٹری پارلیمنٹ آف پاکستان) کی ملکیت تھا۔ ان کی وفات کے بعد محترمہ پروین قادر آغا نے ادارے کو ہدیہ کیا۔(۱۲۷) اس مخطوطے کی تاریخ کتابت معلوم نہیں ہوسکی۔ اس مصحف کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نایاب اور قدیم نسخہ ہے۔ یہ مصحف مکمل حالت میں ہے۔ جناب آغا صاحب مرحوم نے اس مصحف کو اچھے طریقے سے ایک صندوق میں مناسب غلاف کے ساتھ محفوظ کیا ہوا تھا۔ اب یہ نسخہ ادارے کی گیلری میں نمائش کے لیے موجود ہے۔

تصویر نمبر ۲۳: مخطوطہ نمبر ۲۸۲ کے ابتدائی صفحات کا عکس

۷۔ مخطوط قرآن مجید بدون نقطہ اعراب (مخطوط نمبر ۱۵۹)

نقاط اور اعراب کے بغیر قرآن پاک کا یہ مخطوطہ پروفیسر شیخ نصیر الدین کی کتابت میں ہے۔ بغیر حاشیہ کے یہ مخطوطہ ۱۴ سطور پر مشتمل ہے۔ ان کے کل صفحات ۴۵۵ ہیں جب کہ ۲۰x۲۲ سینٹی میٹر کا صفحہ اس نسخے کی تیاری کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کے آغاز سے پہلے ایک صفحے پر پروفیسر شیخ نصیر الدین ایم۔ اے درج ہے، جب کہ اس کے بعد سورۃ الفاتحہ درج ہے اور پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم سے اس نسخے کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس

۱۲۷۔ مخطوط قرآن نمبر ۲۸۲، رجسٹر مخطوطات ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۴۔

مخطوطے کا آخری ص نمبر ۴۵۵ ہے۔ جس پر سورۃ العلق اور سورۃ الناس تحریر ہے اور اس طرح اس مخطوط کا بغیر کسی دعا کے اختتام ہو جاتا ہے۔ متن سیاہ روشنائی سے خط نسخ میں ہے، جب کہ سورتوں کے نام سرخ روشنائی سے تحریر کیے گئے ہیں۔[۱۲۸]

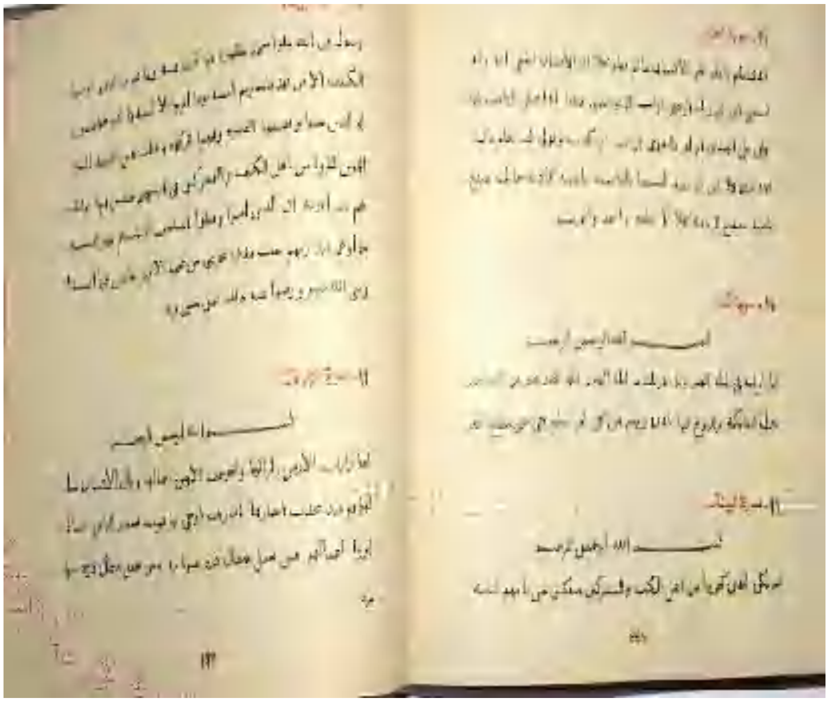

تصویر نمبر ۲۴: بدون نقاط قرآن کے مخطوطہ کا ص نمبر ۱۱۹– ۱۲۰

۸– كتاب الجامع الصحيح المختصر المسند من أمور رسول الله ﷺ وسننه و أيامه

صحیح بخاری کا یہ شان دار نسخہ ۷۲۵ھ میں تحریر کیا گیا۔ اس نسخے کی کتابت کا شرف احمد بن عبد الوہاب بن محمد البکری المعروف بالنُّویری کو حاصل ہوا۔ **الجامع الصحيح البخاري** کا یہ عظیم الشان نسخہ ابن سید الناس، الحافظ العراقی اور الحافظ الہیثمی جیسے مشاہیر محدثین کی سماعات اور قراءات پر مشتمل ہے۔ اس

۱۲۸– قرآن مجید، کاتب پروفیسر شیخ نصر الدین، مخطوطہ نمبر ۲۴۴، رجسٹر مخطوطات، ص ۲۱۔

لیے اس نسخے کو اصل الاصل (Original of originals) کہا جاتا ہے۔ یہ نسخہ خط نسخ میں تحریر شدہ ہے۔ اس نسخے میں ہر صفحے پر ۳۵ سطور ہیں۔ جب کہ اس کی تقطیع ۲۳ × ۳۲ ہے۔ اس نسخے میں احادیث کے ابواب اور کتب کے نام سرخ سیاہی سے تحریر کردہ ہیں۔ اس نسخے کے اختتام پر اس کی تحریر کی تاریخ کا بھی ذکر ہے۔ یہ ذکر درج ذیل الفاظ میں ہے:

کان الفراغ من کتابته یوم السبت المبارک لعشرین من جمادي الأولی عام خمسة و عشرین و سبع مائة یقضیها الله تعالی في خیرو عافیة و ذلک بالقاهرة المغربة، غمدها الله تعالیٰ بالإسلام و السنة [۱۲۹]

اس نسخے کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس کی **صحیح بخاری** کے اصل نسخوں کے ساتھ مطابقت کی گئی تھی اور یہ روایت واسناد کے ساتھ امام بخاری تک پہنچتا ہے۔ مسلمانوں کی ابتدائی صدیوں میں تعلیمی پالیسی دو اصولوں کی بنیاد پر استوار تھی: ایک یہ کہ علم کی منتقلی سختی سے روایت کے ساتھ ہو اور بیان کرنے والا اس کی سند سے مکمل طور پر آگاہ ہو۔ دوسرا یہ کہ کتابوں کی صحت ہر صورت میں برقرار رکھی جائے۔ کوئی عالم کتنا بھی بڑا کیوں نہ تھا اس کو اس بات کی اجازت نہ تھی کہ وہ کوئی کتاب لے اور اس سے پڑھانا شروع کردے۔ استاد کے لیے ضروری تھا کہ وہ کتاب جو پڑھانا چاہتا ہے اس کا ایک نسخہ تیار کرے اور پھر اس نسخے کا اصل کتاب کے ساتھ موازنہ کرے۔ جب تک دونوں میں مکمل یکسانیت نہ ہو، اس وقت تک پڑھانے کی اجازت نہ تھی۔ اس ضمن میں امام مالک فرماتے ہیں:

”أن یکون الفرع معارضا بالأ صل حتی کأنه هو، و أن یکون المجیز عالما بما یجیز ثقته من دینه و روایته، مصرنا بالعلم و أن یکون المجاز من أهل علم متسما به“[۱۳۰]

یہی خوبی اس نسخے میں بھی موجود ہے کہ اس کی سند تصحیح امام بخاری تک پہنچتی ہے۔ اس نسخ کو اصل کے مطابق بذریعہ تصویر محمد اعظمی صاحب نے شائع کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قدیم نسخوں کی تحقیق کرتے ہوئے مجھے

۱۲۹– محمد مصطفی الاعظمی (مدون)، **کتاب الجامع الصحیح المختصر المسند من أمور رسول الله ﷺ وسننه و ایّامه** جمع الإمام أبي عبد الله محمد بن اسماعیل البخاري رضي الله عنه، طباعة مصورة عن النسخة المحفوظة بمکتبة کوبدبي إستنبول (ریاض: الدار الأعظمي للنشر،۲۰۱۳)،۵۹۲۔

۱۳۰– اعظمی، نفس مصدر، ا۔

تقریباً ۵۰ سال پہلے امام شہاب الدین احمد بن عبد الوهاب البکری النویری کا نسخہ ملا۔ آپ مشہور کتاب نهاية الأرب في فنون الأدب کے مصنف ہیں۔ ان کے لکھے ہوئے نسخوں کی افادیت کے بارے میں مشہور ہے کہ اس دور میں ہر نسخہ تقریباً ایک ہزار درہم میں فروخت ہوتا تھا۔ یہ عظیم الشان علمی وراثت Köprülü Library استنبول میں جو کہ اسماعیلی لائبریری کا حصّہ ہے، ۳۶۲ نمبر پر مندرج ہے۔ اس نسخے کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس کے اوپر امام الحافظ الیوینی کے حواشی جابجا موجود ہیں۔

حافظ الیونینی قاضی عیاض اور دیگر محدثین کی تحریروں پر اعتماد کرنے والے تھے۔ یہ نسخہ تقی الدین السبکی، الحافظ العراقی اور الهیثمی جیسے نام ور محدثین کے ہاں تصحیح کے لیے پڑھا گیا تھا۔[۱۳۱] اسلامی وراثت کے اس عظیم الشان شاہ کار کی محمد الاعظمی صاحب نے اعلیٰ درجے کے کاغذ پر تصویر پرنٹنگ کے ذریعے طبع کروائی ہے۔ اس طبع کا ایک نسخہ انھوں نے پروفیسر ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری کی خدمت میں پیش کیا۔

پروفیسر ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں یہ نسخہ مقالہ نگار کے حوالے کیا تاکہ اس کو ادارے کی لائبریری میں رکھ دیا جائے۔ اب یہ نسخہ ادارے کی تاریخی گیلری کی زینت ہے۔

۹- کتاب القانون و النجاۃ از ابو علی الحسین ابن عبداللہ المعروف ابن سینا (م۵۱۵ھ)

کتاب القانون و النجاۃ ابن سینا کی مشہور و معروف کتاب ہے۔ اس کتاب کا وہ نسخہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے نوادر میں شامل ہے جو روم، اٹلی سے ۱۵۹۳ء میں شائع ہوا۔ ابن سینا کی اس کتاب کی غالباً یہ قدیم ترین اشاعت ہے جو کہ ادارے کے مکتبہ اور دار النوادر کا حصہ ہے۔ کتاب القانون کی کتب خمسہ کی تفصیلی فہارس کے اختتام پر اس کتاب کے مطبع اور سنِ اشاعت کا ذکر درج ذیل الفاظ میں ہے۔

Rome, In Typographia Medicea
M.D. XCIII.
1593

یہ عظیم الشان نادر کتاب ۳۷۵۰ نمبر کے تحت ادارہ تحقیقات اسلامی کے ریکارڈ میں درج ہے۔ اس طباعت میں کتاب القانون کی پانچ کتابیں ۲۶۸ صفحات پر مشتمل ہیں جب کہ ان کے موضوعات کی تفصیلی فہرست ہے جو ۶۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب القانون کے بعد کتاب النجاۃ مختصر الشفاء لابن سینا ہے۔

۱۳۱- الاعظمی، نفسِ مصدر، ۲۔

جو ۸۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس طباعت کو ایک مضبوط جلد میں محفوظ کیا گیا ہے۔ یہ نایاب طباعت محمد جمیل الخانی الدمشقی کی ملکیت میں ۱۲۴۰ھ / ۱۹۲۲ء میں آئی اور انھوں نے اس کے اوپر ۱۰۹ نمبر لگایا وہاں سے یہ کتاب ادارے کے دار النوادر کا حصہ بنی۔

ابن سینا سنہری اسلامی دور کے ابطال میں سے ہیں ان کا تعلق فارس سے تھا وہ علمِ طب، فلکیات اور صیدلیات کے آئمہ میں سے ہیں۔ انھیں جدید طب کا بانی تصور کیا جاتا ہے اور علوم وفنون پر ان کی تصانیف کی تعداد ۴۵۰ سے زائد بتائی جاتی ہے۔ جن میں سے ۲۴۰ کے قریب تصانیف محفوظ ہیں۔ ان میں ۱۵۰ کے قریب کتابیں فلسفہ پر ہیں، جب کہ ۴۰ سے زیادہ کتابیں طب اور صیدلیات کے موضوع پر ہیں۔ ابن سینا جو کہ یورپ میں Avicenna کے نام سے مشہور ہیں ان کی شخصیت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے ۔ ابن سینا کے والد اپنے علاقے کے گورنر تھے ۔ وہ غیر معمولی ذہانت اور یاد داشت کے حامل طالب علم تھے ۔ دس سال کی عمر میں انھوں نے قرآن پاک حفظ کرلیا تھا جب کہ تیرہ سال کی عمر میں انھوں نے علمِ طب کی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی تھی۔ ابن سینا نے اپنے دور کے عظیم اہل علم کے ساتھ مراسلات بھی کی تھیں جن میں ان کی البیرونی سے مراسلات بڑی اہم ہیں۔ اس خط وکتابت میں البیرونی اور ابن سینا نے علمی اور فکری مسائل پر گفت گو کی۔ ابن سینا کی کتاب القانون في الطب (AL QANUN FI AL-TIB) پانچ کتابوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب میڈیسن کی کلاسیکل تاریخ ہے۔ اس قدیم کتاب کی قدیم اشاعت ادارہ تحقیقات اسلامی کے نوادرات میں شامل ہے۔[۱۳۲]

۱۳۲- تفصیلات کے لیے دیکھیے:

O'Connor, John J., Robertson, Edmund F., "Avicenna", MacTutor History of Mathematics, archive, University of St Andrews visited on 11-9-2018 at http://www-history.mcs.st-andrews.ac.uk/Biographies/Avicenna.html; A Z Iskandar, Biography in *Dictionary of Scientific Biography* (New York 1970-1990) http://www.encyclopedia.com/doc/1G2-2830904936.html. Biography in *Encyclopaedia Britannica;* http://www.britannica.com/biography/Avicenna; SH Nasr, Ibn Sina's oriental philosophy, in *History of Islamic philosophy* (London, 1996), 247-251; F Rahman, Essence and existence in Avicenna, *Medieval and Renaissance Studies* 4 (1958), 1-16; W Rath, Wie die Logik auf Vor-Urteilen beruht : Überlegungen zu Aristoteles, zu Ibn Sina und zur modernen Logik, *Conceptus* 28 (72) (1995), 1-19;N Rescher, Avicenna on the logic of 'conditional' propositions, *Notre Dame J. Formal Logic* 4 (1963), 48-58; Nahyan A. G. Fancy (2006), "Pulmonary Transit and Bodily Resurrection:

۱۰- مثنوی از مولانا جلال الدین رومی (۶۰۴ھ / ۱۲۷۳ء)

ادارہ تحقیقات اسلامی کے نوادرات میں مطبع برکمان جرمنی سے ۱۳۵۲ھ میں چھپنے والی مثنوی از جلال الدین رومی بھی شامل ہے۔ مثنوی کا پورا نام مثنوی معنوی ہے اور یہ قرآن و سنت اور روزمرہ کے واقعات کا شاعرانہ بیان ہے۔ مثنوی میں وہ اسلامی رموز و حکم ہیں جن کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہے اور ان کو صوفیانہ طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔[۱۳۳] یہ فارسی زبان میں مولانا جلال الدین رومی کا عظیم شاہ کار ہے۔ مثنوی شاعری کی چھے کتابوں کا تسلسل ہے اس میں تقریباً ۲۵،۰۰۰ شعر اور ۵۰،۰۰۰ سطور ہیں۔ یہ وہ روحانی عبارت ہے جو ایک مرشد کی طرف سے اپنے مدیروں کے لیے ہدایت نامہ ہے۔[۱۳۴]

اس عظیم الشان تصنیف کے مصنف مولانا جلال الدین رومی ہیں۔ آپ جلال الدین بلخی کے نام سے بھی معروف ہیں۔ آپ کو عرف عام میں 'مولانا' اور 'مولوی' بھی کہا جاتا ہے۔ مولانا رومی تیرھویں صدی کے مشہور مسلمان شاعر، فلسفی اور صوفی ہیں۔ آپ ۶/ربیع الاوّل ۶۰۴ھ بمطابق ۳۰/ستمبر ۱۲۰۷ء میں بلخ میں پیدا ہوئے۔آپ کے خاندان کا سلسلہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ مولانا کے جدامجد کی شادی چوں کہ خوارزم شاہ کی بیٹی ملکہ جہاں سے ہوئی تھی اس لیے ان کی رگوں میں شاہی خون بھی شامل تھا۔ اگرچہ مولانا جلال الدین رومی کا تعلق خراسان سے تھا، لیکن ان کا فکری اثر پورے وسط

The Interaction of Medicine, Philosophy and Religion in the Works of Ibn al-Nafīs (d. 1288)", pp. 95–102, *Electronic Theses and Dissertations*, University of Notre Dame; Avicenna, Danish Nama-i 'Alai. trans. Parviz Morewedge as *The Metaphysics of Avicenna* (New York: Columbia University Press,1977); *Avicenna (1999). The Canon of Medicine (al-Qānūn fī'l-ṭibb), vol. 1. Laleh Bakhtiar (ed.), Oskar Cameron Gruner (trans.), Mazhar H. Shah (trans.). Great Books of the Islamic World.*

۱۳۳- تفصیل کے لیے دیکھیے:

Jal┐l, Al-Dīn Rūmī, and William C. Chittick, *The Sufi Path of Love: The Spiritual Teachings of Rumi* (Albany: State University of New York, 1983), 6 ; Franklin Lewis, R┴m╛, *Past and Present, East and West: The Life, Teachings and Poetry of Jal┐l al-D╛n Rumi* (England: Oneworld Publications, 2000.)

۱۳۴- کریم زمانی، شرح جامع مثنوي معنوي (تہران: اطلاعات، ۱۳۷۹ھ)، ۱: ۱۰- ۲۵۔

ایشیا اور برصغیر میں محسوس کیا جاتا ہے۔ اگرچہ رومی کی زیادہ تحریریں فارسی میں ہیں لیکن بعض مواقع پر انھوں نے، ترکی عربی اور یونانی زبانوں کو بھی استعمال کیا ہے۔ مولانا جلال الدین رومی نے مثنوی، قونیہ میں تحریر کی۔ فارسی دان طبقے میں پوری دنیا میں اس طویل نظم کی بہت اہمیت ہے۔ اس کے دنیا کی تقریباً ہر بڑی زبان میں ترجمے ہو چکے ہیں۔[۱۳۵]

ادارہ تحقیقات اسلامی کے نوادرات میں موجود مثنوی کا نسخہ مغلیہ دور کے عظیم فرماں روائے دہلی محمد شاہ کے کاتب مرزا عبدالکریم ابن میر ملکی ولد میرزا ابراہیم بن عماد الحسینی کی خطاطی میں ہے۔ یہ مخطوط بہت خوب صورت خط میں تحریر کیا گیا تھا اور اس کا تذکرہ خوش نویشان مطبوعہ ایشاٹک سوسائٹی بنگال میں درج ہے۔ اس مسودے کا علم جب سرامین جنگ بہادر کو ہوا تو انھوں نے اسے چھپوانے کا ادارہ کیا۔ اس ضمن میں سرامین جنگ کی کوششوں سے کافی رقم جمع ہوگئی۔ چوں کہ اس اشاعت کا مقصد یہ تھا کہ ایک تو مثنوی دل کش پیرائے میں شائع ہو اور دوسرا فن خوش نویسی کے ایک مسلم استاد کا کارنامہ بھی محفوظ رہے؛ اس لیے جب افضل الحسین کا تحریر کردہ مثنوی کا نسخہ ملا تو اس کو یقینی بنایا گیا کہ یہ خط نستعلیق میں تحریر شدہ نسخہ اس دور میں موجود بہترین نسخوں میں سے ممتاز ترین ہے۔مثنوی کا یہ نسخہ ۱۱۰۳ھ میں تحریر کیا گیا۔ اس کو تحریر کرنے والے کا خاندان پشت ہا پشت سے فن کتابت میں ممتاز تھا۔[۱۳۶]

۱۳۵- دیکھیے:

Ritter, H.; Bausani, A. "Jal┐l al-D╛n R┴m╛ b. Bah┐’ al-Dīn Sulṭ┐n al-‘ulam┐’ Walad b. Ḥusayn b. Aḥmad Kha═b╛." Encyclopaedia of Islam. Edited by: P. Bearman, Th. Bianquis, C.E. Bosworth, E. van Donzel and W.P. Heinrichs. Brill, 2007. Brill Online. Excerpt: "known by the sobriquet Mawl┐n┐, Persian poet and founder of the Mewlewiyya order of dervishes; William Harmless, *Mystics*, (Oxford University Press, 2008), 167; Franklin Lewis, *Rumi: Past and Present, East and West*, (England: Oneworld Publications, 2008),44; Nasr, Seyyed Hossein (1987). *Islamic Art and Spirituality* (New Yourk: SUNY Press, 1987), 120; Khalifa Abdul Hakim, "The metaphysics of Rumi: A Critical and Historical Sketch", (Lahore: The Institute of Islamic Culture, 1959); Afzal Iqbal, *The Life and thought of Mohammad Jalal-ud-Din Rumi*, (Lahore: Bazm-i-Iqbal, 1959; Abdol Reza Arasteh, *Rumi the Persian: Rebirth in Creativity and Love*, (Lahore: Sh. Muhammad Ashraf, 1963).

۱۳۶- مولانا جلال الدین رومی، **مثنوی**، مخطوط بتاریخ ۱۱۰۳ھ (میونخ: مطبعہ برکمان، ۱۳۵۲ھ)، ج۔

مثنوی کے جس مخطوط سے فوٹو کے ذریعے شائع کیا گیا اس کی تقطیع نو انچ طول میں اور سوا پانچ انچ عرض میں ہے۔ اس کے کل ۴۸۸ صفحات ہیں اور ہر صفحے پر تقریباً سترہ سطور ہیں۔ ہر صفحہ پر تقریباً باون شعر تحریر کیے گئے ہیں۔ اس مخطوط کا کاغذ پتلا بادامی رنگ کا تھا۔ اس طرح کا کاغذ ملنا تو ممکن نہ تھا اس لیے ذرا دبیز لیکن اسی رنگ کے کاغذ کا انتخاب کیا گیا تاکہ مماثلت قائم رہے۔[۱۳۷]

مولانا جلال الدین رومی پر ان کے پیر شمس تبریز کا بہت اثر ہے۔ غلام یزدانی کا خیال ہے کہ اگر مولانا شمس تبریز کا اثر نہ ہوتا تو شاید مثنوی بھی تحریر نہ ہوتی۔ دوسری اہم شخصیت جس نے مثنوی کی تحریر میں مولانا رومی پر اثر ڈالا، وہ حسام الدین چلپی کی تھی۔ وہ اگرچہ مولانا کے مرید تھے، لیکن مولانا نے مثنوی میں ان کا ذکر اس طرح کیا ہے جیسے کوئی اپنے مرشد کا ذکر کرتا ہے۔ غالباً مثنوی لکھنے کی تحریک انھی کی طرف سے تھی۔ مولانا جلال الدین رومی کا انتقال ۵/ جمادی الثانی ۶۷۲ھ میں ہوا۔ قونیہ میں مولانا کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔ مثنوی مولانا رومی کے کئی تراجم ہوئے ہیں ان تراجم میں سب سے اہم ترجمہ پروفیسر نکلسن کا ہے۔ انھوں نے مثنوی کی تنقیح اور تشریح کے لیے جو کوششیں کی ہیں اس کی کوئی اور مثال نہیں ہے، انھوں نے مثنوی کے کئی پرانے مخطوطات کا جائزہ لے کر اس کا مکمل ترجمہ کیا اور اسے آٹھ جلدوں میں شائع کیا۔[۱۳۸] برصغیر میں بھی مثنوی کی بہت سی شروح تحریر کی گئیں جن میں مولوی عبدالعلی بحر العلوم کی شرح سب سے جامع ہے۔[۱۳۹]

مثنوی میں ہر ذوق اور ہر طبقے کے لیے مواد موجود ہے۔ ایسے لوگ جو فارسی نہیں جانتے وہ بھی اس کی اثر انگیزی سے محروم نہیں رہتے۔ عاشقوں کے لیے مثنوی میں درد انگیز اشعار کی کمی نہیں ہے۔ اخلاق و آداب میں بھی مثنوی کے صد ہا اشعار ضرب المثل بن گئے ہیں۔ اس میں روحانیت بھی ہے، زندگی بھی ہے اور لطافت بھی ہے۔ مثنوی کے کئی اشعار میں مولانا کی ذہانت اور شوخیِ طبع جھلکتی

۱۳۷- نفس مصدر۔

۱۳۸- تفصیل کے لیے دیکھیے:

Reynold A. Nicholson, *The Mathnawí of Jalálu'ddín balkhí*, edited from the oldest manuscripts available, with critical notes, translation and commentary in eight volumes (London: Messrs Luzac & Co. for Cambridge University Press, 1926).

۱۳۹- رومی، **مثنوی**، ز۔

ہے۔ مولانا ہر قصے سے اپنے صوفیانہ رنگ میں نتیجہ نکالتے ہیں جس سے خواص فائدہ اٹھاتے ہیں اور حکایات کے ظاہری مضمون عوام کی ضیافت طبع کا سبب بنتے ہیں۔[۱۴۰]

مثنوی کا جو نادر نسخہ ادارہ تحقیقات اسلامی میں موجود ہے وہ نایاب بھی ہے اور کم یاب بھی ہے اور ایسے نادر نسخے کا ادارے میں وجود قابل فخر ہے۔

۱۱- متن البهجة از عمر بن الوردی (م۷۶۹ھ)

۲۳۶صفحات

تقطیع:	6x9 4 ½ x 6 ½

اس مخطوطہ کا داخلہ نمبر ۶ ہے، جب کہ اس مخطوطہ کے مصنف زین الدین عمر بن المظفر ابن الوردی ہیں۔ الوردی کی وفات ۷۶۹ھ میں حلب میں ہوئی۔ وہ ایک بہت بڑے شاعر تھے۔ انھوں نے نثر اور شاعری میں نام کمایا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ فقہ شافعی کی کتاب کتاب **الحاوي الصغير** کو نظم یعنی شاعری میں پیش کرنا ہے۔ **الحاوي الكبير** فقہ شافعی کی تدریسی کتاب ہے۔ یہ کتاب فقہ شافعی مصادر میں شامل ہے۔ اس کتاب کے مصنف نجم الدین عبد الغفار بن عبد الکریم القذوینی الشافعی ہیں جن کی وفات ۶۶۵ھ میں ہوئی۔ فقہ شافعی کے اس مصدر کو شاعری میں مدوّن کرنے کا اعزاز علامہ عمر بن الوردی کو حاصل ہوا اور انھوں نے اس کا نام **متن البهجة** رکھا۔ اس مخطوط کے کاتب کا نام محمد بن اللیثی ہے جب کہ یہ مخطوط ۱۲۷۱ھ میں املا کیا گیا۔ اس مخطوطہ کے پہلے صفحہ پر مولانا عبد العزیز میمن کے دست خط اور ۱۸/ اکتوبر ۱۹۵۶ء کی تاریخ درج ہے، مولانا نے یہ دست خط قاہرہ میں کیے۔ اس کا مطلب ہے کہ مولانا جب ۱۹۵۶ء میں ادارے کے لیے کتابیں حاصل کرنے کے لیے قاہرہ گئے تو انھوں نے وہاں سے یہ مخطوط حاصل کیا اور یادداشت کے لیے اس پر اپنے دست خط ثبت کر دیے۔ یہ مخطوطہ خط نسخ میں تحریر کیا گیا ہے اس کو دو کالموں میں سیاہ روشنائی سے تحریر کیا گیا ہے، جب کہ تحریر کے لیے مصری کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔ فصول اور بعض ذیلی عنوانات کی وضاحت کے لیے سرخ روشنائی کو استعمال کیا گیا ہے۔ اس مخطوطہ کے آخر میں کاتب نے درج ذیل الفاظ میں اس کی تاریخ تحریر کی ہے:

۱۴۰- رومی، مثنوی، ی۔

وکان الفراغ من کتابة هذه النسخة الشریفة یوم الأحد المبارک خلف من شهر جمادی الأول الذی من شهور ١٢٧١ھ ذوهجرة النبویة علی صاحبها أفضل الصلاة.[١٤١]

١٢- عنوان الشرف الوافي از اسماعیل بن ابی بکر المقری (م ٨٣٧ھ)

عنوان الشرف الوافي في علم الفقه و العروض و التاریخ و النحو و القوافی کے مصنف کا پورا نام شرف الدین ابو محمد اسماعیل بن ابی بکر بن عبد اللہ المقری ہے۔ ابن مقری کے نام سے مشہور اس عظیم الشان فقیہ کا شمار فقہاے شوافع میں ہوتا ہے۔ ان کی پیدائش ٧٥٥ھ میں سواحل یمن کے منطقے الشرجة کے علاقے ابیات حسن میں بنی شاور کے قبیلے میں ہوئی۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں ہی حاصل کی۔ ان کی تعلیم و تربیت میں شریعہ، ادب اور نظم و قافیہ پر خاص توجہ تھی۔ انھوں نے اپنے دور کے عظیم اساتذہ علی محمد بن زکریا اور عبد اللطیف الشرجی وغیرہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کی خاص شہرت صناعة النظم اور نثر میں مہارت کی وجہ سے تھی۔ یمن کے بادشاہوں نے انھیں بہت اہمیت دی۔ ملک الاشرف نے انھیں تغریب موجود المجاہدیہ اور زبید میں موجود نظامیہ کے اداروں میں تدریس کی ذمہ داری دی۔ ابن مقری کو اپنے دور کے کئی علوم میں دسترس حاصل تھی اور وہ فقہ، عربی زبان و ادب، منطق اور عربی شاعری جیسے علوم کے امام کے طور پر مشہور ہو گئے۔ ٧٨٨ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔[١٤٢]

امام الشوکانی ابن المقری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یمن نے ان کی طرح کا کوئی اور پیدا نہیں کیا؛ وہ مزید کہتے ہیں:

> [هو] متفرد بالذکاء و قوة الفهم وجودة الفکر،وله في هذا الشأن عجائب و غرائب لا یقدر علیها غیره،ولم یبلغ رتبته في الذکاء و استخراج الدقائق أحد من أبناء عصره ولا من غیرهم.[١٤٣]

١٤١- عمر بن المظفر ابن الوادی، متن **البهجة**، کاتب محمد بن یوسف اللیثی، ١٢٧١ھ، ٢٣٦۔

١٤٢- ابن المقری کے حالات زندگی کے لیے دیکھیے:

الشوکانی، محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ (م ١٢٥٠ھ)، **البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع** (بیروت: دار المعرفة)، ١: ١٤٢-١٤٤؛ ابن عماد العکری عبد الحیٔ بن احمد بن محمد (١٠٨٩ھ)، **شذرات الذهب في أخبار من ذهب**، تحقیق، محمود الارناؤوط (دمشق/بیروت: دار ابن کثیر، ١٩٨٦ء)، ٩: ٣٢١۔

١٤٣- الشوکانی، مصدر سابق، ١: ١٤٤۔

(آپ ذہانت اور قوت فہم میں منفرد تھے۔ اس معاملے میں آپ کی بڑی عجیب وغریب باتیں ہیں جن پر ان کے علاوہ کوئی قادر نہیں تھا۔ ذہانت اور دقائق نکات نکالنے میں نہ آپ کے زمانے کے لوگوں میں اور نہ بعد والوں میں کوئی ان کے مرتبے تک پہنچ سکا۔)

ابن مقری کی کئی مؤلفات ہیں جن میں **مختصر الروضة** للنووی جس کا نام انھوں نے **الروض** رکھا۔ اس طرح انھوں نے **مختصر الحاوي الصغير** بھی تحریر کی۔ ان کی کتابوں میں سے مشہور ترین کتاب **عنوان الشرف الوافي في علم الفقه و العروض و التاريخ و النحو و القوافي** شامل ہے۔ یہی کتاب ادارہ تحقیقات اسلامی کے نوادارت میں شامل ہے۔ **عنوان الشرف** کی تاریخی، ادبی اور علمی اہمیت کے پیشِ نظر اس کو متعدد جگہوں سے شائع کیا گیا ہے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی میں مکتبہ المقتطف مصر کی ۱۹۰۰ء / ۱۳۱۸ھ کی طباعت موجود ہے۔ ادارے میں موجود اس کتاب کے ۷۷ صفحات ہیں۔ طباعت سیاہ روشنائی سے کی گئی ہے البتہ کتاب کا عنوان اس کا آغاز اور ابتدائیہ مختلف رنگوں میں ہے۔ اس طباعت کی کتابت شاہین مکاریوس نے کی ہوئی ہے، جب کہ کتاب کے شروع میں محمد حنفی مہدی المصری الازہری کی طرف سے مقدمہ تحریر کیا گیا ہے۔[۱۴۴] اس کتاب کے ساتھ ہی شیخ عبد الوہاب الوصف کا رسالہ بھی شامل ہے۔

عنوان الشرف کے بارے میں ابن عماد الحنبلی لکھتے ہیں کہ اس کتاب کی پہلے کوئی مثال نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ کتاب دراصل پانچ علوم و فنون پر مشتمل ہے۔ (۱) فقہ، (۲) العروض، (۳) تاریخ (۴) النحو اور (۵) القوافی۔ پانچوں علوم و فنون کتاب کے ہر صفحے پر موجود ہیں۔ کتاب کا افقی مطالعہ کریں تو پہلے کالم میں فقہ ہے، دوسرے میں عروض ہے، تیسری میں تاریخ ہے، جب کہ دائیں سے بائیں طرف مطالعہ کریں تو نحو اور قوافی پر مشتمل کتاب سامنے آتی ہے۔[۱۴۵] صاحب **كشف الظنون** نے اس کتاب کی بڑی تعریف کی ہے اور اس کتاب کو بدیع الوصف قرار دیا ہے۔ وہ اس کتاب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

۱۴۴– ابن المقری، **الشرف الوافي في علم الفقه و التاريخ و النحو و العروض و القوافي** (مصر: مطبعة المقطتف، ۱۹۰۰ء)۔ اس کتاب کی قطر سے چھپنے والی جدید طباعت بھی ادارے کی لائبریری میں شامل ہے۔

۱۴۵– دیکھیے: نفس مصدر، ۱۔

يحتوي على فنون خمسة من العلوم، فأول السطور بالحمرة: عروض و مابعده بالحمرة أيضًا: تاريخ دولة بني رسول، وما هو بين التاريخ، و أواخر السطور، بالحمرة:نحو، و أواخر السطور، قواف.[۱۴۶]

(یہ کتاب پانچ علوم پر مشتمل ہے۔ ابتدائی سطور سرخ رنگ میں ہیں جو علم عروض ہے۔ اس کے بعد بھی سرخ رنگ ہے جس میں سلطنت رسولیہ کی تاریخ ہے۔ تاریخ اور آخری سطور کے درمیان سرخ رنگ میں علم نحو ہے، اور آخری سطور میں علم قافیہ ہے۔)

اس کتاب کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کتاب کو کئی مرتبہ شائع کیا گیا۔ اس کی ایک قدیم اشاعت اور ایک نسبتاً جدید اشاعت ادارے میں موجود ہے، اس لیے اس کتاب کو ادارے کے نوادرات میں شامل کیا گیا ہے۔

۱۳۔ کتاب التصریف از ابو القاسم الزہراوی (م ۱۰۱۳ھ)

ابو القاسم خلف بن العباس الزہراوی ۹۳۶ء میں قرطبہ کے قریب الزھراء کے تاریخی شہر میں پیدا ہوئے اور ۱۰۱۳ء میں ان کا انتقال ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ الزھراء کے تاریخی شہر کا سنگ بنیاد اس دن رکھا گیا جب ان کی پیدائش ہوئی۔ الزہراوی اندلس کے مشہور طبیب اور جراح تھے۔ انھیں قرون وسطی میں جراحی کے امام کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ **کتاب التصریف** الزاہراوی کی عظیم الشان تالیف ہے۔ ۳۰ جلدوں پر مشتمل یہ کتاب علم طب کی حرکیات کا موسوعہ ہے۔ ان کی اس کتاب کا وہ حصہ جو جراحی سے متعلق ہے اس کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اسے ۵۰۰ سال تک یورپ میں نصابی کتاب کے طور پر پڑھایا گیا۔ الزہراوی نے سرجری کے کئی آلات ایجاد بھی کیے۔ انھی آلات کے متعلق **کتاب التصریف** کا یہ حصہ جس کا پورا نام **التصريف لمن عجز عن التأليف** ہے، یہ کتاب لکھنؤ سے ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی۔ چوں کہ یہ ایک اہم کتاب کی نایاب اور قدیم اشاعت ہے اس لیے اسے بھی ادارہ تحقیقات اسلامی کے نوادرات میں داخلہ نمبر ۱۹۹۸ء کے تحت شامل کیا گیا۔ ۲۴۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب خط نسخ میں کتابت کے بعد شائع کی گئی۔ کتاب میں جابجا ان آلات جراحی کی تصاویر کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے جن کو الزہراوی نے نہ صرف ایجاد کیا، بلکہ ان کو استعمال بھی کیا۔ ان میں سے کئی آلات جراحی کی جدید شکلیں دور حاضر میں بھی مستعمل ہیں۔ سرجری اور آلات جراحی سے متعلق کتاب

۱۴۶۔ مصطفی بن عبد اللہ کاتب جلبی، (۱۰۶۷ھ)، **كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون**، (بغداد: مکتبہ المثنی، ۱۹۴۱ء) ۲: ۱۱۷۵۔

التصریف کے اجزا کو انگریزی ترجمے اور تشریح کے ساتھ M.S Spink اور G.L. Lewis نے ۱۹۷۳ء میں شائع کیا۔[۱۴۷]

۱۴۷۔ دیکھیے:

M.S Spink, G.L. Lewis, Abacusis on Surgery and Instruments, A Definitive Edition of the Arabic Text with English Translation and Commentary (Berkeley and Los Angeles: University of California Press, 1973)

تصویر نمبر ۲۵: الزہراوی کی کتاب التصریف کا رنگین عکس
جس میں آلات جراحی نمایاں ہیں(۱۴۸)

تصویر نمبر ۲۶: اس تصویر میں دیکھایا گیا ہے کہ الزہراوی قرطبہ کے ہسپتال میں مریض کا علاج کرتے ہوئے اپنے طلبا کو عملی تربیت بھی دے رہے ہیں۔(۱۴۹)

چوں کہ **کتاب التصریف** فن جراحت کے قرون وسطی کے مصادر میں سے ہے۔ اس لیے اس کتاب کے مخطوط کئی معروف جگہوں پر پائے جاتے ہیں۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ(۱۵۰) میں **التصریف** کے دو نایاب

148– BibliOdyssey,Books-Illustration-Science-History-Visual *Materia Obscura* Eclectic Bookart, Monday, November 27, 2006, http://bibliodyssey.blogspot.com/ 2006/11/shards.html

149– Seyed Hadi Chavoushi, Kamyar Ghabili,Abdolhassan Kazemi, Arash Aslanabadi, Sarah Babapour, Rafail Ahmedli, and Samad E. J. Golzari, 'Review Article Surgery for Gynecomastia in the Islamic Golden Age: Al-Tasrif of Al-Zahrawi (936–1013 AD)', *International Scholarly Research Network ISRN Surgery*, Volume 2012, Article ID 934965, 5 pages doi:10.5402/2012/934965.

مخطوطہ ہیں اس میں سے ایک مخطوط کی تاریخ ۱۷۱۰ء ہے اور اس میں ۲۷ ابواب اور ۴۹۴ تصاویر موجود ہیں۔ یہ مسودہ مغربی خط میں تحریر ہے، جب کہ دوسرے مسودے میں جو کہ ۲۴۸ فولیوز پر مشتمل ۳۰/ابواب موجود ہیں یہ مسودہ خط نسخ میں ۱۱۸۸ء میں تحریر کیا گیا۔ اس مخطوطہ میں ۲۰۰ سے زیادہ آلات جراحی کی شکلوں کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے۔ غالباً یہی وہ مخطوطہ ہے جس کی مدد سے مطبع نامی الکائن لکھنؤ میں اس کتاب کو ۱۹۰۸ء میں شائع کیا۔ اسی اشاعت کا یہ نسخہ ادارہ تحقیقات اسلامی میں محفوظ ہے۔(۱۵۱)

۱۴- شاہنامہ فردوسی از ابوالقاسم فردوسی طوسی (۹۴۰ء- ۱۰۲۰ء)

شاہنامہ دنیا کی سب سے طویل نظم ہے جو کہ ایک شاعر ابوالقاسم فردوسی کی تحریر کردہ ہے۔ اسے عظیم ایران کی داستان کے طور پر بھی یاد کیا جاتا ہے۔ فارسی ادب میں فردوسی کے شاہ نامے کی بہ طور بنیاد کلاسیکل اہمیت ہے، جب کہ عالمی ادب میں بھی اسے بہت اہم سمجھا جاتا ہے۔ اس عظیم الشان شاعری کے مصنف حکیم ابوالقاسم فردوسی ایک ایرانی زمین دار (دھکان) خاندان میں پاج نامی گاؤں میں ۹۴۰ء میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں طوس کے علاقے میں واقع ہے جو کہ خراسان کا ایک شہر ہے۔ یہ علاقہ موجودہ ایران کے شمال مشرقی صوبے خراسان میں واقع ہے۔(۱۵۲)

۱۵۰- خان بہادر خدابخش (م ۱۹۰۸ء) ایک کتاب شناس شخصیت تھے۔ انھیں کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ اپنے والد مولوی محمد بخش سے ملا۔ اس میں انھوں نے بہت اضافہ کیا ۱۸۹۱ء میں خدابخش نے اسے عوام کے لیے کھول دیا۔ خدابخش اورینٹل لائبریری پٹنہ میں ۲۱۰۰۰ سے زیادہ مخطوطات اور ۲۵۰۰۰۰ سے زیادہ مطبوعہ کتب موجود ہیں۔

۱۵۱- الزہراوی کی شخصیت علم طب اور فن جراحت کے لیے اس کی خدمات کے مطالعے کے لیے دیکھیں:

Krebs, Robert E., *Groundbreaking Scientific Experiments, Inventions, and Discoveries of the Middle Ages and the Renaissance* (Greenwood Publishing Group, 2004) ; Sami Khalaf Hamarneh, Glenn Sonnedecker, *A Pharmaceutical View of Abulcasis Al-Zahrāwī Moorish Spain: With a Special Reference to the "Adhān"* (Brill Archive, 1963); Al-Benna, Sammy (29 September 2011). "Albucasis, a tenth-century scholar, physician and surgeon: His role in the history of plastic and reconstructive surgery". *European Journal of Plastic Surgery*. 35 (5): 379–387.

۱۵۲- دیکھیے:

Hamid Dabashi, *The World of Persian Literary Humanism* (Harvard: Harvard University Press, 2012), 314.

فردوسی ایرانیوں کا عظیم شاعر ہے۔ ہزاروں سال سے ایرانی اور پوری دنیا میں فارسی دان فردوسی کے عظیم الشان کام شاہ نامہ کو پڑھ رہے ہیں۔ محققین کے خیال میں شاہ نامہ میں فردوسی نے خالص فارسی زبان استعمال کی ہے اور اس میں عربی کا بہت کم اثر ہے۔(۱۵۳)

فردوسی کا شاہ نامہ فارسی ادب کا شاہ کار ہے۔ یہ ایرانی بادشاہت کی تاریخ بھی ہے اور ان کے کارناموں کا بیان بھی ہے۔ شاہ نامہ میں دور زرتشت کا بھی ذکر ہے۔ اس لحاظ سے یہ زرتشت مذہب کے پیروکاروں کے لیے بھی بہت اہم ہے۔ فردوسی نے شاہ نامے کی تحریر کا آغاز ۹۷۷ء میں کیا اور اسے ۸ مارچ ۱۰۱۰ء میں مکمل کیا۔ فردوسی نے شاہ نامے میں بہت سارے ایسے واقعات نظم میں تحریر کیے ہیں جو کہ پہلے سے نثر میں موجود تھے۔ شاہ نامے میں فردوسی نے کچھ اپنے خیالات اور تصورات بھی شامل کیے ہیں۔ شاہ نامے میں مصوروں کی بنائی ہوئی تصویریں بھی موجود ہیں۔ شاہ نامے میں شامل ایک اصل تصویری وضاحت کو UNESCO Memory of the World Register میں شامل کیا ہے۔(۱۵۴)

فردوسی کے شاہ نامے کی کئی اشاعتیں منظر عام پر آئی ہیں۔ ۱۸۲۹ء میں ہندوستان میں اس کی سب سے پہلی طباعت ہوئی اسے T. Macan نے شاہ نامے کے ۱۷ مخطوطات کی مدد سے شائع کیا تھا۔ اسی طرح اس کا ایک ایڈیشن فرانسیسی اسکالر J. Mohi نے ۱۸۳۸– ۱۸۷۸ء کے درمیان ۳۰ مخطوطات کے تقابل کی روشنی میں شائع کیا تھا۔ جرمن اسکالر J.A Vallers نے ۱۸۷۷ء اور ۱۸۸۴ء کے درمیان Macan اور Mohi کی دونوں طباعتوں میں مطابقت پیدا کرتے ہوئے اس کی طباعت کی تھی۔ شاہ نامہ فردوسی کا پہلا جدید تنقیدی ایڈیشن روسی ماہرین کے مجموعے نے E.E. Bertels کی سربراہی میں British Museum

---

۱۵۳– دیکھیے:

Ferdowsi, Encyclopaedia Britannica Online. 2018. Retrieved 19 September 2018.

۱۵۴– دیکھیے:

Khaleghi Motlagh, Djalal (26 January 2012); "Ferdowsi, Abu'l Qāsem i. Life" *Encyclopædia Iranica*. Retrieved 27 May 2012. the poet refers... to the date of the *Šāh-nāma*'s completion as the day of Ard (i.e., 25th) of Esfand in the year 378 Š. (400 Lunar)/8 March 1010.

کے ۱۲۷۶ء اور Leningrad کے ۱۳۱۳ء مسودات کی روشنی میں تیار کیا تھا۔ یہ ایڈیشن ماسکو کے Institute of Oriental Studies اور Academy of Sciences of USSR نے ۹ جلدوں میں ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۱ء کے درمیان شائع کیا۔[۱۵۵]

شاہ نامہ فردوسی کا انگریزی عربی اور گجراتی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔[۱۵۶] ادارہ تحقیقات اسلامی میں شاہ نامہ فردوسی کی خوب صورت ضخیم اشاعت موجود ہے۔ یہ اشاعت ملون ہے اور موسہ انتشاراتی امیر کبیر نے شائع کیا ہے۔ اس اشاعت کی نگرانی جعفر صمیمی اور جواد محسنی نے کی ہے، جب کہ متن کی تنقیح اور تصحیح کا کام محمد جعفر محجوب نے کیا ہے۔ اس کی کتابت جواد شریفی کی ہے۔ یہ ایک خوب صورت اشاعت ہے۔ زردی مائل کاغذ کے اوپر خوب صورت نقش و نگار والے حاشیے کے درمیان میں عبارت ہے جب کہ اس میں تاریخی واقعات کی تصویروں کے ساتھ وضاحت بھی موجود ہے۔ ادارے میں موجود اشاعت کے ۱۰۵۶ صفحات ہیں جن میں ۳۶ صفحات پر مشتمل اعلام کی فہرست بھی شامل ہے۔ شاہ نامہ فردوسی کا یہ خوب صورت شاہ کار ادارے کی گیلری میں عام مشاہدے کے لیے موجود ہے۔

۱۵- خزانۃ العلماء از شیخ محمد رضا ابن محمد صالح حنفی الانصاری

یہ عظیم الشان مخطوط جسے کاتب فہد محمد عمر نے ۱۱۰۰ھ میں تحریر کیا، ادارہ تحقیقات اسلامی کے نوادرات میں شامل ہے۔ پہلی جلد ۴۰۲ صفحات پر مشتمل ہے، جب کہ دوسری جلد ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مخطوط کی

۱۵۵- دیکھیے:

Osmanov, M. N. O. "Ferdowsi, Abul Qasim". *The Free Dictionary.com*. Retrieved 11 September 2010.

۱۵۶- دیکھیے:

Shahbazi, A. Shapur (1991). *Ferdowsī: A Critical Biography*. Costa Mesa, (Calif.: Mazda Publishers,1991).; Katouzian, Homa , *Iran: Politics, History and Literature* (Oxon: Routledge,2013); Dickson, M.B.; and Welch, S.C., *The Houghton Shahnameh. Volume I*. (Cambridge, MA and London,1981); Frye, Richard N., *The Heritage of Persia: The Pre-Islamic History of One of the World's Great Civilizations* (New York: World Publishing Company,1963); Ahmed, Akbar S., *Discovering Islam: Making Sense of Muslim History and Society*(2nd ed.). (London: Psychology Press,2002); Davis, Dick "Review: The Shahnameh by Abul-Qasem Ferdowsi, Djalal Khaleghi-Motlagh". *International Journal of Middle East Studies*. Cambridge University Press. 27 (3),Aug 1995: 393–395.

ضخامت ۲۸ x ۱۹ہے اور یہ مخطوط مکتبہ الغزالی کوئٹہ سے مبلغ ۲۰۰۰ روپے میں خرید اگیا۔ اس مخطوط کو تحریر کرنے کے لیے مضبوط کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔ مخطوط کی عبارت سیاہ اور سرخ روشنائی سے تحریر کی گئی ہے، جب کہ اس کا حاشیہ سرخ اور نیلی سیاہی سے لگایا گیا ہے ۔ ہر صفحے پر تقریباً ۲۳ سطور ہیں۔ سالہا سال گزر جانے کے باوجود مخطوط کا خط اور اس کا کاغذ محفوظ ہے اور اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے، جب کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مخطوط پر تحقیق کر کے اسے شائع کیا جائے۔

۱۶– دیوانِ حافظ از محمد شمس الدین حافظ شیرازی(۱۳۱۵ء)

ادارہ تحقیقات اسلامی کے نوادرات میں محمد شمس الدین حافظ شیرازی (۱۳۲۰ء) کے دیوان کی چار زبانوں میں ایک ایسی خوب صورت طباعت موجود ہے جو انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور فارسی میں ہے۔ اس خوب صورت رنگین دیوان کی ایک نمایاں خصوصیت اس میں موجود خطاطی اور تصویریں ہیں۔ اس دیوان کا انگریزی ترجمہ Aj-Arberry H. Nickbell اور H.W. Clar کا ہے، جب کہ انگریزی تعارف Hermann Nickbell کا ہے۔ دیوان حافظ کی اس چہار لسانی اشاعت کا فرانسیسی ترجمہ Vincout Mounteil کا اور جرمن ترجمہ F. Rueckert کی طرف سے کیا گیا ہے۔ اس اشاعت میں فارسی میں کلام حافظ کی خطاطی مہدی فلاح نے کی ہے۔[۱۵۷]

حافظ خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی (۱۳۹۰ء–۱۳۱۵ء) حافظ کے قلمی نام سے معروف ہیں۔ ان کا کلام فارسی میں محبت کے جذبات کے اظہار کے حوالے سے ضرب المثل ہے۔ حافظ ایرانی شعرا میں سب سے نمایاں اور ممتاز ہیں۔ ان کی شہرت جغرافیائی حدود کی پابند نہیں، بلکہ نسیم صبح کی مانند ایران سے چل کر دنیا کے دوسرے حصوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ یورپ اور امریکہ بھی ان کی شاعری سے متاثر ہے۔ حافظ کا شمار ان شعرا میں سے ہے جن کے کلام کو زندگی میں ہی قبول عام حاصل ہو گیا۔ حافظ شیرازی اپنے شعر میں نغمگی و غنائیت کی وجہ سے ہر کسی کو پسند تھے۔ ان کے دور کے حکم ران بھی انھیں پسند کرتے تھے، لیکن وہ دنیا کی تمام

۱۵۷– محمد شمس الدین حافظ شیرازی، دیوان حافظ بہ چہار زبان فارسی، انگلیسی، فرانسہ، المانے بخط مہدی فلاح، نگارگری حسین علی ماچیانی، غلام رضا اسماعیل زادہ (تہران: انتشارات فرہنگ سرای میر دشتی، ۲۰۰۲)

لذتوں، حسرتوں اور عیش و عشرت کو چمنستاں مصلیٰ کی فرحت افزا فضاؤں پر نثار کرنے کی جرأت رندانہ رکھتے تھے۔[۱۵۸]

حافظ شیرازی اپنی بے مثال مقبولیت اور ہر دل عزیزی کے باوجود بے توجہی کا شکار رہے ہیں اور ان کے حالات زندگی پوری طرح محفوظ نہیں ہیں۔ حافظ کا سال وفات ۷۹۱ھ ہے۔ ان کی ۶۵ سالہ زندگی مختلف مراحل سے گزری جس میں انھوں نے سلطنت کی تبدیلی اور مے خانوں کو مقفل ہوتے دیکھا۔ محتسبوں کی چیرہ دستیوں کے حالات بھی ان کے سامنے تھے۔ ان سب حالات کا عکس ان کے کلام میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اگرچہ حافظ نے اکثر اصناف سخن میں طبع آزمائی کی، لیکن وہ غزل کے بادشاہ تھے۔ وہ جس جوش، صداقت، جذبات اور برجستگی سے اپنی داخلی اور خارجی کیفیات کو غزل میں پیش کرتے تھے وہ انھیں کا خاصہ تھا۔ حافظ پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان پر رندی اور سرمستی کا جذبہ غالب رہتا تھا اور وہ اسے پورے جوش و خروش سے ظاہر کرتے تھے۔ حافظ کے اشعار میں ایسی سرخوشی اور سرشاری ملتی ہے جو اس وقت پیدا ہوتی ہے جب شاعر عملی طور پر ان کیفیات سے گزرتا ہے۔ ان کے ہاں حسن کا وہ تصور ملتا ہے جو ماورائی حسن سے زیادہ جہان آب و گل کے جمال اور رعنائی کی تصویر کشی کرتا ہے۔[۱۵۹] حافظ کے کلام کا اردو ترجمہ بھی ادارے میں موجود ہے، لیکن یہ خوب صورت طبع جو ادارے کے نوادارت میں ہے کسی حد تک حافظ کے خوب صورت کلام کی خوب صورت پیش کش ہے۔

۱۷- اکبر نامہ از ابوالفضل فیضی (۱۶۰۲ء)

ادارہ تحقیقات اسلامی کے نوادرات میں ابو الفضل فیضی کا تحریر کردہ اکبر نامے کا ایک قدیم مطبوعہ نسخہ موجود ہے۔ اکبر نامے کی یہ جلد سوئم مطبع منشی نول کشور لکھنؤ سے ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کی

۱۵۸- حافظ شیرازی، **دیوان حافظ**، ترجمہ، مولانا قاضی سجاد حسین (لاہور: پروگریسو بکس)، ۲۔

۱۵۹- تفصیل کے لیے دیکھیے:

Peter Avery, *The Collected Lyrics of Hafiz of Shiraz* (Archetype, Cambridge, UK, 2007); Will Durant, *The Reformation* (New York: Simon & Schuster, 1957); Jan Rypka, *History of Iranian Literature* (Reidel Publishing Company, 1968); Chopra, R. M., Great Poets of Classical Persian, (Kolkata :Sparrow Publication, 2014); Limbert, John W., *Shiraz in the Age of Hafez: The Glory of a Medieval Persian City*. (Washington: University of Washington Press, 2011)

کتابت گو بند پرشاد نے کی۔ یہ کتاب ۸۶۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ چوں کہ یہ ایک قدیم طباعت ہے، اس لیے اسے ادارہ تحقیقات اسلامی کے نوادرات میں شامل کیا گیا ہے۔

اکبر نامہ مغل بادشاہ جلال الدین اکبر (۱۵۵۶ء– ۱۶۰۵ء) کا سرکاری کرونیکل ہے۔ اکبر نے **اکبر نامہ** لکھنے کی ذمہ داری اس دور کے ممتاز تاریخ دان اپنے معتمد خاص اور نورتنوں میں سے ایک ابوالفضل فیضی کے ذمے لگائی۔ ابوالفضل ۱۴ر جنوری ۱۵۵۱ء میں آگرہ پیدا ہوا۔ وہ جلد ہی اپنی تعلیمی قابلیت اور ذہانت کی وجہ سے جلال الدین اکبر کا وزیر بن گیا۔ ابوالفضل پر بے پناہ اعتماد کی وجہ سے ہی اکبر نے اسے **اکبر نامہ** لکھنے کی ہدایت کی۔ **اکبر نامہ** فارسی زبان میں دو حصوں میں تحریر کیا گیا۔ **اکبر نامے** کا پہلا حصہ **"آئین اکبری"** ہے۔ اس میں ابوالفضل نے اس دور کے ریاستی اور مذہبی اداروں کا ذکر کیا ہے۔ **"آئین اکبری"** میں ہندو علوم کا ذکر بھی موجود ہے۔ جلال الدین اکبر کے گھرانے، افواج، اس دور کی مغلیہ بادشاہت کی حدود کا ذکر بھی **اکبر نامے** میں موجود ہے۔ اس دور کے رسم و رواج کا تفصیلی ذکر بھی **اکبر نامے** میں موجود ہے۔ **اکبر نامے** کے دوسرے حصے میں ۱۶۰۲ء تک دور اکبر کی تاریخ و تفصیلات ہیں۔ اس حصے میں پانی پت کی جنگ کی تفصیلات بھی موجود ہیں یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح اکبر اور بھرام خان نے اس جنگ میں فتح حاصل کی۔ اکبر نامے کے اصل مسودے میں اکبر کے عہد کے مصوروں کی بنائی ہوئی تصاویر بھی شامل تھیں۔

تصویر نمبر ۲۷: اس تصویر میں ابو الفضل فیضی اپنی کتاب اکبر نامہ شہنشاہ ہند جلال الدین اکبر کو پیش کر رہا ہے۔

اکبر نامہ تکمیل کے بعد جلال الدین اکبر کے پاس رہا۔ ۱۶۰۵ء میں اکبر کی وفات کے بعد اکبر نامہ بادشاہ جہانگیر (۱۶۰۵ء – ۱۶۲۷ء) کی لائبریری میں رہا۔ اکبر نامہ کا اصل مسودہ جس میں ۱۱۶ تصاویر بھی شامل ہے۔ آج کل Victoria and Albert Museum UK میں موجود ہے۔ South Kensington Museum نے ۱۸۹۶ء میں اصل مسودہ Mrs Framces Clark سے خریدا تھا۔ Mrs Frances کے شوہر نے اودھ کے کمشنر کے طور پر ۱۸۵۸ء – ۱۸۵۸ء تک خدمات سر انجام دی تھیں اور وہیں پر اس نے یہ مسودہ حاصل کیا تھا۔ اس مسودے میں موجود تصاویر کو فریم کروانے کے لیے الگ کر دیا گیا تھا۔[۱۶۰]

اکبر نامے کی انگریزی اور اردو میں کئی تراجم ہوئے۔ اکبر نامے کا ایک انگریزی ترجمہ برطانوی راج کے سابق افسر اور مستشرق Beveridge نے کیا اور یہ ۱۹۰۲ء میں Asiatic Society of Bengal کی طرف سے شائع کیا گیا۔ Beveridge کا یہ ترجمہ دراصل Lieutenant Chalmers کے ترجمہ کی تکمیل ہے۔[۱۶۱] اسی طرح اکبر نامے کا ایک اہم انگریزی ترجمہ ۱۹۴۴ء میں پیدا ہونے والے Wheeler M. Thackston نے بھی کیا ہے۔ وہ فارسی اور عربی کے ماہر تھے اور انھوں نے کئی اہم تاریخی دستاویزات پر تحقیق کی۔ وہ ترکی اور سندھی زبان کے ماہر بھی تھے۔ انھوں نے The Murty Classical Library of India کے تعاون سے یہ ترجمہ کیا ہے۔ اکبر نامے کے مصنف ابو الفضل فیضی کو ۱۶۰۲ء میں قتل کروا دیا گیا تھا وہ مغلیہ شہزادوں کی تخت نشینی کی سازشوں کا شکار ہوئے۔[۱۶۲]

160– Akbar Nama,Encyclopædia Britannica/Abul Fazl,1911, p.1/79;Vincent a. Smith, Akbar the Great Mogul 1542-1605 (Oxford: the Clarendon Press, 1917).

161– Beveridge Henry, (trans.) *The Akbarnama of Abu-L-Fazl* in three volumes Bengal: Asiatic Society, 1902).

162– Wheeler M. Thackston,(editor & translator), *The History of Akbar, Volume I* (the Akbarnama), (Cambridge: Harvard University Press, 2015).

۱۸ – تاریخ فرشتہ از محمد قاسم ہندو شاہ المشہور فرشتہ (م ۱۶۲۰ء)

ادارہ تحقیقات اسلامی میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دونوں قسم کے نوادرات موجود ہیں۔ فارسی میں تاریخ کی عظیم کتاب **تاریخ فرشتہ** کے نام سے موسوم ہے۔ اس تاریخ کا ایک قدیم مطبوعہ نسخہ ادارہ تحقیقات اسلامی میں موجود ہے۔ یہ نسخہ منشی نور کشور نے ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۵ء میں لکھنؤ میں طبع کیا تھا۔ اس نسخے کا کاغذ خستہ حال ہے، جب کہ اس کے اوپر جابجا حواشی بھی لکھے ہوئے ہیں۔ خط نستعلیق میں کتابت کے بعد لکھنؤ سے طبع ہونے والی اس کتاب کو ادارہ کے اندراج نمبر ۲۱۹۹ کے تحت درج کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا حجم A4 سائز سے ذرا زیادہ ہے۔

تاریخ فرشتہ کے مصنف محمد قاسم ہندو شاہ ۱۵۶۰ء میں پیدا ہوئے اور ان کی وفات ۱۶۲۰ء میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام غلام علی ہندو شاہ تھا۔ محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ **تاریخ فرشتہ** اس نام کے علاوہ گلشن ابراہیمی کے نام سے بھی معروف ہے۔ اس ضمن میں مصنف خود لکھتے ہیں:

"میں نے متقدمین کی ان تصنیف کردہ کتابوں کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا اور اس مخفی خزانے کو جو ان کتابوں میں موتیوں کی طرح بکھرا پڑا تھا ایک خاص ترتیب کے ساتھ تاگے میں پرویا ہے میری محنت اس کتاب کی صورت میں کہ جس کا نام **گلشن ابراہیمی** ہے، آپ کے سامنے ہے۔"[۱۶۳]

تاریخ فرشتہ میں بادشاہوں اور والیان کے حالات زندگی تحریر کیے ہیں۔ اس کتاب کی اصل زبان فارسی ہے، جب کہ یہ اردو اور انگریزی سمیت کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ اس کا ایک مشہور اردو ترجمہ عبدالحی خواجہ کا ہے۔ اس کتاب کا سب سے معتبر انگریزی ترجمہ جنرل J Briggs کا ہے۔[۱۶۴] اس کے علاوہ Jouathan Scott کا انگریزی ترجمہ بھی کافی مشہور ہے۔[۱۶۵] اس کتاب کے مصنف فرشتہ نے دہلی،

۱۶۳– محمد قاسم ہندو شاہ، **ہندوستان کی مکمل تاریخ: تاریخ فرشتہ**، اردو ترجمہ، عبدالحی خواجہ (مشتق خواجہ) (لاہور: المیزان ناشران و تاجران کتب، ۲۰۰۸ء)، ۱: ۲۰۔

164– Ferishta, Mahomed Qasim, *The History of the Rise of the Mahomedan Power in India* till the year 1612 English translation by John Briggs (London, 1829)

165– Firishta, Muhammad Qasim Hindu Shah Astarabadi, *Ferishta's History of Dekkan. (Vol. I). Jonathan Scott (trans.)*.(London: John Stocksdale,1794).

بہمنی اور دکن کے سلاطین اور بادشاہوں کے مکمل اور درست حالات بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے سترھویں صدی عیسوی میں خود مختاری حاصل کرنے والے شہزادوں کے حالات بھی تحریر کیے ہیں۔ محمد قاسم ہندو شاہ نے اس کتاب کا پہلا مسودہ ۱۶۰۶ء میں ابراہیم شاہ کی خدمت میں پیش کیا اور غالباً اس لیے اس کا نام **گلشن ابراہیمی** رکھا۔ انھوں نے بقیہ زندگی اس پر نظر ثانی کرتے ہوئے گزاری۔ اس کام کی تاریخی حیثیت کے بارے میں John Briggs لکھتے ہیں:

> The work has come to be regarded as a classic and still a high place as an authority.(166)

(اس کام کو کلاسیک کا درجہ حاصل ہے اور ہنوز استناد کے طور پر اس کا مقام بلند ہے۔)

۱۹– *The World's Great Collections Oriental Ceramics*

Vol: 7, Musee Guimet, Paris

پیرس میں ایشیائی آرٹ کا مشہور میوزیم Guimet ایشیائی نوادرات کے حوالے سے مشہور ہے۔ یہ میوزیم ایک مشہور صنعت کار Emile Etienne Guimet نے ۱۸۷۹ء میں Lyon میں قائم کیا تھا۔ بعد میں اسے پیرس میں Place d'lene کے مقام پر ۱۹۸۹ء میں منتقل کر دیا گیا۔ Guimet کو فرانس کی وزارت Public Instructions نے Far East کے مذاہب کے مطالعے کی ذمہ داری تھی۔ اس مطالعے کے دوران میں انھوں نے ایشیا کے کئی مطالعاتی سفر کیے اور چین، جاپان سے کئی نوادرات کو جمع کیا۔ پھر ان نوادرات میں مصری، یونانی اور دیگر نوادرات کا اضافہ بھی ہو گیا۔ ایسے نوادرات جو فرانسیسی نو آبادیاتی دور میں حکومتی اہل کاروں نے جمع کیے وہ بھی اس میوزیم کا حصّہ بن گئے۔ ۲۰۰۶ء سے ۲۰۰۷ء کے عرصے میں کئی دیگر نایاب نمونے بھی اس کا حصہ بنے۔(۱۶۷)

166– Ferishta, Mahomed Qasim, *The History of the Rise of the Mahomedan Power in India* till the year 1612 English translation John Briggs (Cambridge: Cambridge University Press, 2014).

۱۶۷– دیکھیے:

The World's Great Collections Oriental Ceramics, Vol 7, by Musee Guimet, Paris (Tokyo, New Yourk, San Franscisco, 1981) Marie-Catherine Rey et al, *National museum Arts asiatiques – Guimet*, translation by John

اس میوزیم نے جن نوادرات کو جمع کیا ہے ان کی تفصیلات کتابی صورتوں میں شائع کی گئی ہیں۔ انھی میں سے جلد ہفتم Oriental Ceramics سے متعلق ہے۔ یہ ۱۷۵، A۳ سائز کے صفحات پر مشتمل ایک خوب صورت طباعت ہے، جس میں زردی مائل کاغذ کے اوپر قدیم ایشیائی برتنوں کی تصاویر شامل ہیں جو کہ Guimet کی زینت ہیں۔ اس اشاعت کا تعارف Madeleine Paul-David نے تحریر کیا ہے، جب کہ اس اشاعت میں جن Ceramics کو شامل کیا گیا ہے ان کا انتخاب سات ماہرین نے کیا ہے۔ یہ خوب صورت کتاب .Kadausha International Ltd نے ٹوکیو، نیویارک اور سان فرانسیسکو سے ۱۹۸۱ء میں شائع کی ہے۔ چوں کہ یہ بہت قیمتی اور نایاب چیزوں کی تصویروں پر مشتمل عظیم کتاب ہے اس لیے اس کو بھی ادارہ تحقیقات اسلامی کی تاریخی گیلری میں دوسرے نوادرات کے ساتھ عام استفادے کے لیے رکھا گیا ہے۔

۲۰- المقام المحمود في تفسير كلام الملک الودود از مولانا عبید اللہ سندھی (م ۱۹۴۴ء)

مولانا عبید اللہ سندھی برصغیر پاک و ہند کے دینی اور سیاسی رہ نما تھے۔ آپ ۱۰/ مارچ ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوئے اور ۲۱/ اگست ۱۹۴۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔ مولانا عبید اللہ سندھی ایک ہندو فیملی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ۱۵/ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا اور دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوگئے۔ آپ جلد ہی ایک حریت پسند رہنما کے طور پر مشہور ہوگئے۔ مولانا کے علمی کارناموں میں خاص طور پر بین المذاہب ہم آہنگی سے متعلق ان کا فہم تھا۔[۱۶۸]

Adamson (Paris: Éditions de la Réunion des Musées nationaux, 2001);Patrick Howlett-Martin, « Où ira le buste de Néfertiti ? », *Le Monde diplomatique*, No 700, juillet 2012, 27.

۱۶۸- مولانا عبید اللہ سندھی کے حالات زندگی کے لیے دیکھیے:

Ansari, K.H., ‘Pan-Islam and the Making of the Early Indian Muslim Socialist’ Modern Asian Studies, *Vol.* 20, *No.* 3. (Cambridge: Cambridge University Press, 1986), pp. 509-537; Seidt, Hans-Ulrich, From Palestine to the Caucasus- Oskar Niedermayer and Germany's Middle Eastern Strategy in 1918. German Studies Review, Vol. 24, No. 1. (Feb., 2001), pp. 1-18; *Sims-Williams, Ursula (*1980*), The Afghan Newspaper Siraj al-Akhbar. Bulletin (British Society for Middle Eastern Studies), Vol.* 7, *No.* 2. *(*1980*), pp.* 118-122*;* Engineer Ashgar, *A They too fought for India's freedom: The Role of Minorities.,* (Delhi: Hope India Publications,2005);

محمد سرور، **مولانا عبید اللہ سندھی، حالات زندگی، تعلیمات اور سیاسی افکار** (لاہور: ۱۹۷۶ء)۔

مولاناعبید اللہ سندھی کی معروف ومشہور تفسیر قرآن کا مخطوطہ ۶ جلدوں میں ادارہ تحقیقات کے نوادرات میں شامل ہے۔ یہ مخطوطہ لائنوں والے زردی مائل کاغذ پر خط نستعلیق میں نب والے قلم سے تحریر کیا گیا ہے۔ تمام جلدیں ایک ہی قلم اور سیاہی سے تحریر کردہ نہیں ہیں۔ بعض جلدوں میں تحریر کا رنگ مدہم بھی پڑھ چکا ہے۔ ہر صفحہ پر ۱۷ سے ۱۸/ سطریں ہیں۔ پہلی جلد کے ۲۳۵ صفحات ہیں اور اس کی تکمیل ۹/ مئی ۱۹۴۷ء کو مکمل ہوئی۔ مولانا عبید اللہ سندھی کی تفسیر کا یہ حصہ امالی کے نام سے منسوب ہے۔ مولانا نے یہ حصہ نظارۃ المعارف دہلی میں مولانا احمد علی کو ۱۹۱۳ء میں املا کروایا تھا۔ اس مخطوطہ کا جو نسخہ ادارہ تحقیقات اسلامی میں ہے اسے محمد نور الحق صاحب نے دوبار تحریر کیا ہے۔[۱۶۹]

المقام المحمود کی دوسری جلد کے شروع میں ۱۸۴ صفحات ہیں اور پھر کچھ خالی صفحات کے بعد سورۃ الأنعام کی تفسیر شروع ہوتی ہے۔ سورۃ الأنعام والا حصہ صفحہ نمبر ا سے لے کر ۱۴۷ تک جاتا ہے۔ مخطوط کا یہ حصہ بھی خط نستعلیق میں ہے اور نب سے سیاہی کے ساتھ لکھا گیا ہے جب کہ اہم نکات کی وضاحت سرخ روشنائی سے کی گئی ہے۔ تفسیر **المقام المحمود** کے مخطوط کی تیسری جلد تفسیر سورۃ یونس سے شروع ہوتی ہے جب کہ جلد چہارم سورۃ بنی اسرائیل سے شروع ہو رہی ہے۔ جلد چہارم پارہ نمبر ۱۸ شروع ہو کر پارہ نمبر ۲۰ تک جاتی ہے، جب کہ پارہ ۲۹ اور ۳۰ چھٹی اور آخری جلد میں ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی کی یہ تفسیر بہت اہم ہے اور اس پر کئی لوگوں نے تحقیقی کام بھی کیا ہے۔ **المقام المحمود** دوسری تفاسیر سے مختلف ہے۔ روایتی تفاسیر میں شان نزول اور اسرائیلی قصے بیان کیے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید قرآن مجید فقط مخصوص واقعات اور گذشتہ زمانے کے لیے ہی نازل ہوا تھا، لیکن **المقام المحمود** سے قرآن پاک کی تعلیمات کی عمومیت اور بین الاقوامیت ظاہر ہوتی ہے۔

یہ تفسیر اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں بعض جگہوں پر بڑے بڑے مضامین اعلیٰ افکار اور دقیق مسائل کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ تفسیر کی زبان عمومی طور پر مشکل ہے۔ بعض جگہوں پر اختصار سے کام لیا گیا ہے، جب کہ بعض مواقع پر کافی تفصیلی مباحث شامل ہیں۔ اس تفسیر میں مولانا عبید اللہ سندھی کا علمی اور فلسفیانہ موقف، شاہ ولی اللہ کی حکمت اور فلسفہ تعلیم بھی شامل ہے۔ مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ ولی اللہ کی بہت ساری اصطلاحات بھی استعمال کی ہیں۔ مولانا عبید اللہ سندھی قوم کو زوال سے نکالنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ زوال سے نکلنے کا اصل

۱۶۹۔ عبید اللہ سندھی، **المقام المحمود**، حصہ اوّل سورۃ بقرہ اور سورۃ ال عمران کی تفسیر، مخطوط ادارہ تحقیقات اسلامی نمبر ۱۲۰، ۲۳۵۔

راستہ قرآنی تعلیمات کا فروغ ہے؛ اس لیے انھوں نے نہ صرف یہ تفسیر تحریر کی، بلکہ اس مقصد کے لیے کئی ادارے بھی قائم کیے۔ مولانا سندھی کے افکار کو جمع اور نشر کرنے میں ان کے شاگردوں نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ مکی دارالکتب نے مولانا عبید اللہ سندھی کی کئی کتابیں شائع کی ہیں۔ انھی کتابوں میں **المقام المحمود** کا آخری پارہ بھی شامل ہے۔[۱۷۰]

۲۱- امالی عبیدیہ جلد اوّل از امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی

ادارہ تحقیقات اسلامی کے پاس مولانا عبید اللہ سندھی کی جو دوسری اہم کتاب مخطوطہ کی صورت میں ہے وہ **امالی عبیدیہ** کا ایک نسخہ ہے۔ یہ نسخہ شیخ بشیر احمد بی اے لدھیانوی نے تحریر کیا تھا۔ شیخ بشیر احمد مولانا عبید اللہ سندھی کے معتمد خاص تھے۔ وہ بھی مولانا کی طرح فلسفہ شاہ ولی اللہ پر یقین رکھتے تھے۔ وہ ولی اللہ سوسائٹی پاکستان (رجسٹرڈ) لاہور کے جنرل سیکرٹری بھی تھے۔ ان کے تحریر کردہ اصل نسخے سے محمد مقبول عالم نے ادارہ تحقیقات اسلامی کی فرمائش پر یہ کاپی تیار کی ہے۔ یہ مسودہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے مخطوطات میں ۹۷ نمبر پر مندرج ہے۔ یہ مخطوط ۴۳۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ باریک سیاہ قلم سے زردی مائل کاغذ پر اسے تحریر کیا گیا ہے، تحریر خط نستعلیق میں ہے۔ بہت خوب صورت ہے، جب کہ اس کو بہت آسانی سے پڑھا جاسکتا ہے۔ **امالی عبیدیہ** میں مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار کو پیرگرافوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن کی کل تعداد ۷۰۰ ہے۔ امالی میں مولانا نے قرآن پاک کی تفسیر بھی کی ہے۔ اس کتاب میں مولانا کے تجربات بھی ہیں۔ استفادات بھی ہیں اور تاریخی حقائق بھی، جب کہ قرآنی آیات کی تفسیر و تشریح بھی اس کا حصہ ہے۔ اس کتاب کی املا کا آغاز ۲۳/ جولائی ۱۹۴۰ء میں ہوا۔[۱۷۱]

۲۲- Geoffrey Khan کی تدوین کردہ کتاب *Bills, Letters and Deeds*

یہ منفرد کتاب اسلامی ثقافت میں ساتویں صدی عیسوی سے گیارھویں صدی عیسوی میں قرطاس (Arabic Papyri) پر تحریر کردہ خطی نمونوں پر مشتمل ہے۔ یہ نمونے Dr. Naseer D. Khalili کی *Collection of Islamic Art* سے لیے گئے ہیں اور انھیں نور فاؤنڈیشن نے Oxford University Press کی مدد سے چھپوایا ہے۔

۱۷۰- دیکھیے: عبید اللہ سندھی، **تفسیر المقام المحمود (آخری پارہ)** (لاہور: مکی دارالکتب)۔

۱۷۱- دیکھیے: مولانا عبید اللہ سندھی، **امالی عبیدیہ**، کاتب، شیخ بشیر احمد۔

Dr. Nasser D. Khallili نے اسلامی کیلی گرافی کو جمع کرنے کے کام کا آغاز ۱۹۷۰ء میں شروع کیا۔ ان کے اس کام کا مقصد اسلامی تاریخ اور تہذیب کے ساتھ اسلامی وراثت کو بھی محفوظ کرنا تھا۔ جن فن پاروں کو انھوں نے اس کتاب کے لیے منتخب کیا، پہلے ان پر خود تحقیق کی اور اس کے بعد وہ انھیں منظر عام پر لائے ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے Arabic Papyri (عربی قرطاس) پر تحریر کیے گئے فن پارے جمع کیے ہیں۔[۱۷۲]

مصر میں تقریباً ۴۰۰۰ سال سے لکھنے کے لیے قرطاس (Papyris) استعمال ہوتا تھا۔ یہ قرطاس Cyprus Papyrus کے درخت سے حاصل کیا جاتا تھا۔ لکڑی، چمڑے اور قدیم دور میں تحریر کے لیے جو مواد استعمال کیا جاتا تھا اس سب سے زیادہ قرطاس لکھنے کے لیے مناسب سمجھا جاتا تھا۔ مزید برآں لکھنے کے لیے اس کو تیار کرنے میں بھی بہت آسانی تھی۔ اس بنا پر قدیم تحریروں کے لیے اس کا استعمال کیا جاتا تھا۔[۱۷۳] *Collection* میں لکھے ہوئے خطوط، قانونی دستاویزات اور تختیاں بھی شامل ہیں۔ چوں کہ یہ ایک نایاب تاریخی شاہ کار ہے، اس لیے اس کتاب کو ادارے کی گیلری میں نمائش کے لیے رکھا گیا ہے۔[۱۷۴]

۸– ادارہ تحقیقات اسلامی میں موجود بعض مخطوطات

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ ادارے میں مخطوطات کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ یہ مخطوطات اس قابل ہیں کہ ان پر تحقیق کر کے شائع کیے جائیں۔ ادارے میں موجود مخطوطات میں سے علوم قرآن سے متعلق کچھ مخطوطات کا تعارف اس مقالے میں کروایا جارہا ہے۔ یہ تعارف کروانے کا مقصد یہ ہے کہ محققین ان میں سے اپنے لیے مناسب مخطوطات منتخب کر کے ان پر تحقیق کریں۔

---

172. Geoffrey Khan, *Bills, Letters and Deeds: Arabic papyri of the Seventh-Eleventh Centruries, The Naseer D. Khan Collection of Islamic Art*, (Oxford: The Nour Foundation in Association with Azimuth Edition's and Oxford University Press, 1993) 9.

173. Napthali Lewis, *Papyrus in Classical Antiquity* (Oxford: Oxford Press, 1974) 57-61; Iowreth Eiddon Stephen Edwards, G.J.. Gadd, N. G. L. Hammond, The Cambridge Ancient History, (Cambridge: Cambridge University Press, 1964) 7.

174. Geoffrey Khan, *Letters and Deeds: Arabic papyri of the seventh-evelenth centuries,* The Naseer D. Khan Collection of Islamic Art, (Oxford: The Nour Foundation in Association with Azimuth Editions and Oxford University Press, 1993), 9.

علوم القرآن سے متعلق مخطوطات

۱– کتاب العُنوان في القراءات السبعة (عربی)

مصنف: ابو طاہر اسماعیل بن خلف المقری الاندلسی المتوفی ۴۵۵ھ، ورق ۸۴

تقطیع:	4 ½ x 5 ¾ / 2 x 4 ½

۱۳ سطری۔ بخط نسخ معمولی، روشنائی حنطی[۱۷۵]، کاغذی دستی قطنی مصری[۱۷۶]

تاریخ کتابت: ۹ جمادی الاول ۸۱۴ھ، عنوان سرخ ہیں۔ یہ نسخہ مکمل اچھی حالت میں اور قابل مطالعہ ہے۔ اس کے مصنف علم تجوید و قراءت کے مشہورِ زمانہ عالم تھے۔ ان کا پورا نام ابو طاہر اسماعیل بن خلف بن سعید الانصاری السر قسطی ہے۔ یکم محرم ۴۵۵ھ مطابق ۱۰۶۳ء میں ان کا سرقسطہ میں انتقال ہوا۔[۱۷۷] **الاکتفاء** کے نام سے انھوں نے علم تجوید پر ایک بڑی کتاب تحریر کی تھی۔ اس کے بعد انھوں نے خود ہی **الاکتفاء** کا اختصار **العنوان في القراءات السبعة** کے نام سے لکھا جو کہ مخطوط کی صورت میں ادارے میں محفوظ ہے۔ اس مخطوطے کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الحمد لله الذي أنشأ نا بقدرته وهدانا للإ سلام و فطرته".

جب کہ اختتامی الفاظ ہیں: "سورة والضحٰی، ثم افتتح السورة التي بعدها و كذلک باشر كل سورة حتی يختم و قد اختلف عنه في لفظ التكبير و الذي اختاره من ذلک الله أكبر لاغيره وبه قرأت و به أخذ."

۱۷۵– حنطی ایک خاص قسم کی روشنائی ہے جو گیہوں کے دانوں کو جلا کر بنائی جاتی ہے۔ یہ روشنائی گہری کتھئی رنگ کی اور لیس دار ہوتی ہے۔ اس کا استعمال روانی کا باث بنتا ہے۔ یہ پائیدار ہوتی ہے۔ دیکھیے: احمد خان، فہرست مخطوطات، "ادارہ تحقیقات اسلامی"، **فکر و نظر**، ۷: ۱۹۹۵ء، ۳۹۵۔

۱۷۶– قطنی صفحہ سے مراد وہ کاغذ ہے جو روئی اور پرانے کپڑے سے بنایا جاتا ہے۔ یہ چکنا ہوتا ہے اور اسے چمک دار بھی بنایا جا سکتا ہے۔ اس کاغذ کے بنانے میں ریشم کے ناکارہ ٹکڑے بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ دیکھیے: احمد خان، م ن، ۳۹۵۔

۱۷۷– الزرکلی، **الأعلام**، ۱: ۳۱۰؛ احمد خان، مصدر سابق، ۳۹۶؛ رجسٹرڈ مخطوطات ادارہ تحقیقات اسلامی، ۵۔

زیرِ نظر مخطوط میں قراے سبعہ کے اختلافات پر پوری بحث کی گئی ہے۔ ہر سورت میں موجود قراءت کے اختلافات کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے قلمی نسخے خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ اور قومی کتب خانہ استنبول وغیرہ میں موجود ہیں۔ (۱۷۸)

۲۔ مخطوطہ نمبر۲۶(داخلہ نمبر۳۷۷۲)

أنواع الهمزة في وقف حمزة و هشام(عربی)

مصنف مصطفیٰ ابو الحیاۃ السندریسی الشافعی المتوفی بعد ۱۲۹۰ھ

ورق ۲۸

تقطیع:	3 x 5 ¼ / 4 ½ x 6 ¼

۱۵ سطری بخط نسخ بقدر مایقراء: عنوان سُرخ، روشنائی سیاہ صمغ دودی، کاغذ دستی مصری جدید، تاریخ کتابت ۱۲۹۰ھ۔

قرآن مجید کی کتابت کے خاص اصول ہیں۔ان اصولوں کا منبع و مرکز مصحف عثمانی ہے۔ انھی اصولوں میں سے ایک اصول الف کے بارے میں ہے۔ اس میں تیئس جگہوں پر ایسے الف آتے ہیں جو لکھے تو جاتے ہیں مگر پڑھے نہیں جاسکتے۔ یہ الف **الألفات الزائدة** کے نام سے معروف ہیں۔ اسی طرح اَلف متحرک جسے عربی میں ہمزہ کہتے ہیں، علم تجوید میں اس کی آوازوں کا بھی ایک مقرر طریقہ ہے۔ جب ایسا ہمزہ لفظ کے درمیان میں ہو یا حرف حلقی کے بعد واقع ہوا ہو یا حرف مد سے پہلے ہو تو اس کی آوازیں مختلف ہوتی ہیں۔ تیسری صدی کے دو مشہور قاری حمزۃ اور ہشام نے خاص توجہ کے ساتھ اس ہمزہ کی اصوات کو منضبط کیا ہے۔ ان کے بعد قرا کے لیے ان آوازوں کا ادا کرنا بڑی توجہ کا محتاج رہا۔ اسی لیے فن قراءت و تجوید میں حمزہ وہشام سے متعلق یہ مسائل کافی مشکل اور پیچیدہ سمجھے جاتے ہیں۔

مصر کے ایک قاری ابو الحیاۃ مصطفیٰ السندریسی الشافعی نے مختلف ائمۂ تجوید کی کتابوں سے لے کر پورے قرآن کریم میں ہمزہ کی آواز کے لیے ۶۲ مقامات اور طریق کی نشان دہی ہے۔ (۱۷۹) کتاب کا تعارف ان الفاظ میں

۱۷۸۔ احمد خاں، مصدر سابق، ۳۹۶، رجسٹر مخطوطات ادارہ تحقیقات اسلامی، ۵۔

۱۷۹۔ احمد خان، فہرست مخطوطات، کتاب خانہ ادارہ تحقیقات اسلامی، فکر و نظر، ۷: ۷، ۱۹۷۰ء، ۵۵۵۔

کروایا گیا ہے: اعلم أن مسائل وقف حمزة و هشام لما كانت من أصعب علم القراءة، أردت أن أبينها ملخصا ممافي كتب الأئمة الموثوق بهم تسهيلا للطالبين و تيسيرًا للراغبين .

اور اختتام یوں ہے: وقد نصّ الحميرى سبعة و عشرين و جهًا و لكن قال ابن الجزري بعدم الأخذ بقوله هاهنا تنبه، آه.(۱۸۰)

۳۔ مخطوطہ ۲۷ (داخلہ نمبر ۳۷۷۳)

ناظمة الزهر في الأعداد و اختلاف أهل البلاد

ابو محمد قاسم بن فیرہ بن خلف الشاطبی الرعینی والأندلسی

ورق ۴۴، حجم

تقطیع:	4 ½ x 3 ¼ / 3 ¼ x ¼

۱۵ سطری۔ روشنائی معمولی صمغ دودی، سرخ عنوانات کے ساتھ یہ مخطوط دیسی کاغذ پر تحریر کیا گیا ہے۔ یہ تقریباً ساٹھ سال پرانا مخطوط ہے جب کہ اس کے کاتب کا نام ابو بکر الحداد ہے اور دیسی کاغذ تقریباً ساٹھ سال پرانا ہے۔

اس کتاب کا درست نام: **ناظمة الزهر في عدد آيات السور** ہے۔ یہ شاعرانہ قصیدہ قرآن مجید کی سورتوں کے شمار پر مشتمل ہے۔ اس میں وہ دل چسپ اور دقیق موضوعات زیر بحث لائے گئے ہیں جن کا تعلق قرآن پاک کی آیات کی تعداد سے متعلق ہے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے دور عروج میں استاد اپنے شاگرد کو قراءت کی اجازت دیتا تھا۔ یہ علمی اور تہذیبی روایت آج بھی بعض دینی تعلیم کے اداروں میں موجود ہے۔ یہ مخطوط اسی روایت کی عکاسی کرتا ہے۔ مصری قاری شیخ محمد بیومی کو پہلی شعبان ۱۳۰۵ھ کو ان کے استاد شیخ حسن بن محمد الجریسی الخلوتی والازہری نے یہ اجازت دی۔ اس مسودے میں اس اجازت نامے کی اصل ہے۔ اس اجازت نامے کے آخر میں شیخ حسن الجریسی کی مہر مع تاریخ ثبت ہے۔ اس مہر میں ۱۲۷۸ھ کی تاریخ درج ہے۔(۱۸۱) چوں کہ

۱۸۰۔ مصطفى بالحياة السندريسي الشافعي، أنواع المهمزه في وقف و هشام، مخطوط ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، مخطوط نمبر ۲۶، داخطہ نمبر ۳۷۷۲، ۱: ۲۸۔

۱۸۱۔ احمد خان، نفس مصدر، ۵۵۷، رجسٹر ادارہ تحقیقات اسلامی، ۳۔

سکون و سکتہ کی وجہ سے بعض قاریوں نے ایک آیت کو دو آیتیں بھی شمار کیا ہے۔ اس لیے حجازی، شامی، بصری اور کوفی قاریوں نے اعداد و شمار میں اختلاف کیا ہے۔ اس اختلاف کی وضاحت بھی **ناظمة الزهر** میں کی گئی ہے۔

اس قصیدے کا پہلا شعر یہ ہے:

بدأت بحمد الله ناظمة الزهر

لتجنى بعون الله عينًا من الزهر

اس قصیدے کے مصنف علم نحو، لغت اور علم قراءات کے مشہور امام تھے۔ یہ نابینا مقری اپنے زمانے ہی میں بلکہ اپنے بعد بھی علم تجوید کے امام الائمۃ کا درجہ رکھتے تھے۔ **حرز الأماني** وغیرہ علم تجوید کی کتابیں اس عظیم شخصیت کی تصنیف ہیں۔ (۱۸۲)

۴۔ مخطوطہ ۲۸ (داخلہ نمبر ۳۷۷۴)

إجازة الشيخ محمد بيومي بالقراءات العشر

ورق ۱۹، حجم

تقطیع:	4 ½ x 6 ½ / 2 ½ x 5 ¼

۲۵ سطری، یہ مسودہ معمولی سیاہ روشنائی سے دیسی کاغذ پر تحریر کیا گیا ہے۔ اس کی تحریر میں مسطر ڈوریوں کا استعمال کیا گیا ہے، جب کہ جدول سرخ رنگ کی روشنائی سے بنا ہوا ہے۔ اس مخطوطہ کے آغاز میں درج ذیل سرنامہ ہے: هذه إجازة الأستاذ الشيخ محمد بيومي بالقراءات العشر على طريقي الشاطبية و الدرة من مجيزة المولىٰ الفاضل الورع الكامل الراجي من الله العفو و المنن، الشيخ الجريسي حسن حفظه الله ، آمين.

مخطوطے کے متن کی ابتدا یوں ہے:

الحمد لله الذي جعل في القرآن العظيم كنوز معاني دقائق حقائق العلوم وأعطى من اصطفاه من خلقه مفاتيحها...

۱۸۲۔ احمد خان، نفس مصدر، ۵۵۶، رجسٹر ادارہ تحقیقات اسلامی، ۳۔

اس مخطوطہ میں قراءات کے مختلف واسطوں کا تذکرہ کر کے ان کی روایات کو آں حضور ﷺ تک پہنچایا گیا ہے اور پھر اس کا اختتام ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے: فهذه الأسانيد التي أدت إلينا هذه الروايات رواية و تلاوة وغير ذلک من الأسانيد المذكورة في العشر و أوصيه بتقوى الله تعالیٰ. (۱۸۳)

۵۔ مخطوطہ ۲۹ (داخلہ نمبر ۳۷۷۵)

كتاب التيسير في القراءات السبعة (عربی)

مصنف: ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی المتوفی ۴۴۴ھ

ورق ۹۰،

5 ½ x 7 ¼ 3 ¾ 6	تقطیع:

۱۷ سطری، یہ مخطوطہ دیسی قطنی کاغذ پر خط نسخ سے تحریر کیا گیا ہے، جب کہ اس کی تحریر کے لیے کجوی روشنائی استعمال کی گئی ہے۔ یہ مخطوط کجوی روشنائی میں تحریر کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا موضوع قراءت سبعہ ہیں۔ قرآن مجید کی قراءتوں کے عظیم الشان علم میں قراء ت سبعہ ایک تنوع کی علامت ہیں۔ انھی قراءتوں کو اس مخطوط میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ مصنف نے سب سے پہلے ان قرا کا مختصر ذکر کیا ہے جنھوں نے یہ قراءات سبعہ کی روایت کی ہے یا پھر جن کی طرف قراءات سبعۃ کو منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید کی ہر ایک صورت میں جہاں جہاں قرانے قراءت میں حرکات کا فرق کیا ہے اس کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ زیادہ تر اختلافات الفاظ کی حرکات میں ہیں؛ مثلاً سورۂ اخلاص میں لفظ کفواً میں یہ اختلاف کیا گیا ہے کہ بعض قاریوں نے اس کے "ف" حرف کو زبر اور بعض نے پیش پڑھا ہے۔ سورۂ کافرون میں ولي دين میں حفص اور ہشام کی قراءات ي کی زبر کے ساتھ ہے، اور البزّی اور دوسرے قراء کے نزدیک ي ساکن ہے۔

اس مخطوط کے مصنف ابو عمرو عثمان ابن الدانی ، اندلس کے ایک شہر دانیہ میں ۳۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ بسلسلۂ تحصیل علم انھوں نے مصر و حجاز کا سفر کیا۔ مکہ مکرمہ میں کچھ دن ٹھرے۔ اس کے بعد مراکش چلے

۱۸۳۔ دیکھیے: إجازة الشيخ محمد بيومي بالقراءات العشر، مخطوط نمبر ۲۸، داخلہ ۳۷۷۴۔

گئے اور پھر وہاں سے اپنے وطن لوٹ گئے۔ ان کی وفات کے سن میں تو کوئی شبہ نہیں، البتہ مقام وفات مشکوک ہے۔ ابن الدانی اپنے دور کے علم قراءت اور علم نحو کے عظیم علما میں سے ہیں۔

یہ کتاب موضوع کے اعتبار سے مختصر مگر جامع ہے جس شخص کے پاس یہ نسخہ موجود تھا، اس نے قراءت سے متعلق اختلافات کو حواشی پر تحریر کیا ہے۔ یہ مخطوطہ قاہرہ میں تھا اور مولانا عبد العزیز میمنی نے اسے وہاں سے حاصل کر کے ادارے کی لائبریری کی زینت بنایا۔ اب یہ مخطوط چھپ چکا ہے۔ ۱۳۸۴ھ یہ کتابی صورت میں لاہور سے بھی چھپا۔ [۱۸۴]

۶۔ مخطوطہ ۳۰ (داخلہ نمبر ۳۷۷۶)

فتح تکریم (عربی)

مصنف: نامعلوم

ورق ۲۳، تقطیع ½۵×½۳/۷×۵، ۲۰ سطری کاغذ قطنی مصری ہے۔ سیاہ روشنائی معمولی صمغ دودی ہے۔ عنوانات سرخ رنگ کی معمولی روشنائی سے دیے گئے ہیں۔ خط نسخ بقدر مایقراء ہے۔ اس مخطوطہ کے کاتب کا نام حسن بن شیخ محمد الجبرتی الحنفی ہے۔ سن کتابت ۱۳۰۴ھ ہے۔

علم تجوید کے مشہور امام شمس الدین ابو الخیر محمد بن محمد بن الجزری الدمشقی کی ایک بڑی مقبول منظوم کتاب ہے: **طيبة النشر في قراءات العشر** ہے۔ اس معروف کتاب کی کئی علما نے شروح نظم اور نثر میں تحریر کی ہیں۔ زیر نظر مخطوطہ بھی اسی **طيبة النشر** کی منظوم شرح ہے۔ اس مخطوط کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

حمدت إلها كافيا من توكلا
عليه و مغنى من إليه تبتلا

۱۸۴۔ احمد خان، "فہرست مخطوطات کتب خانہ ادارہ تحقیقات اسلامی"، اسلام آباد، **فکر و نظر**، ۸: ۷ (۱۹۷۰)، ۶۲۵؛ رجسٹر مخطوطات ادارہ تحقیقات اسلامی، ۴۔

یہ شرح ۱۲۸۴ھ میں لکھی گئی ہے۔ نظم کے آخر میں خود مصنف نے اس شرح کی تاریخ کا ذکر کیا ہے۔ اس نامعلوم مصنف کا زمانہ تیرھویں صدی ہجری کا آخری نصف نظر آتا ہے۔ کتاب کے آخر میں درج ذیل عبارت درج ہے:

وذلک للأستاذ الکامل الفطن الأدیب و الفهام الأریب راجي غفر المأوی الشیخ محمد بیومي الشبراوي. یعنی یہ کتاب محمد بیومی الشبراوی کے لیے کتابت ہوئی ہے۔

اسی کاتب کے قلم سے لکھی ہوئی ایک دوسری کتاب: **الدرة البهیة في نظم الأجر ولاهیة** بھی اسی جلد میں ہے۔ اس کتاب کے مصنف شرف الدین یحیی العمریطی الشافعی المتوفی ۹۷۹ھ ہیں۔ اس کتاب کا پہلا شعر ہے:

قل الحمد لله الذي وحده علی
و مجده و أرسل عونه و توسلا

اس کتاب کا کاغذ، روشنائی اور خط پہلی کتاب کی طرح ہی ہے۔[۱۸۵]

۷۔ مخطوطہ ۳۱(داخلہ نمبر ۳۷۷۷)

نهایة البررة في قرأة الأمة الثلاثة الزائدة علی العشرة (عربی)

مصنف: شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری المتوفی ۸۳۳ھ

ورق ۱۲

تقطیع:	5 ¾ x 8 / 4 x 6

یہ ۲۵ سطری مخطوطہ ولایتی بادامی کاغذ پر معمولی صمغ دودی روشنائی سے تحریر کیا گیا ہے، جب کہ عنوانات سرخ روشنائی سے تحریر کردہ ہیں۔

۱۸۵۔ دیکھیے: احمد خان، ”فہرست مخطوطات کتب خانہ ادارہ تحقیقات اسلامی“، **فکر و نظر**، اسلام آباد، ۸: ۷ (۱۹۷۰ء)، ۲۷؛ رجسٹر ادارہ تحقیقات اسلامی، ٦۔

یہ مخطوط دراصل ایک منظوم رسالہ ہے جس میں ابن محیصن حسین بصری وغیرہ کے اختلافات نحوی کو قرآن مجید کی تجوید میں تفصیل کے ساتھ سورہ بسورہ نظم کیا گیا ہے۔ اس مخطوط کی تحریر ۲۴/ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ ہے، جب کہ اس کے کاتب کا نام حسن حسن ہے جو کہ الازہر میں طالب علم تھے۔

قراءت کے امام ابن الجوزی نے علم قراءت پر بہت سے نظمیں لکھی ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ایک نظم ہے۔ یہ نظم وطبعہ حسینیہ مصر سے چھپ بھی چکی ہے۔(۱۸۶)

۸۔ مخطوطہ ۳۶(داخلہ نمبر ۳۷۸۲)

تلخيص العبارات بلطيف الإشارات في علم القراءات

تقطیع:	6 ½ x 9 ½ / 3 ½ x 6 ½

اس مخطوطہ کے ۱۶۰/ صفحات ہیں اور ہر صفحہ میں ۲۱ سطور ہیں، کاغذ ولایتی بادامی، روشنائی معمولی صمغ دودی خط خام نسخ، عنوان سرخ رنگ سے۔

یہ مخطوطہ عربی نثر میں سفید دستی کاغذ پر تحریر کیا گیا ہے اس کی روشنائی سیاہ اور سرخ ہے جو کچھ پھیکی بھی ہو چکی ہے۔ یہ مخطوطہ خط نسخ میں ہے۔ اس مخطوطہ کے مصنف الشیخ ابو علی الحسن بن خلف الهواری نزیل الاسکندریہ، جن کی تاریخ وفات ۵۱۴ھ ہے۔ یہ فن تجوید کی مشہور کتاب ہے جو عام طور پر علمائے قرآن کے ہاں متداول ہے۔ اگرچہ نسخہ بدخط ہے، لیکن پڑھا جا سکتا ہے۔(۱۸۷)

۹۔ مخطوطہ ۳۹(داخلہ نمبر ۳۷۸۵)

نام کتاب: **الأسئلة و الأجوبة في القراءة**

حجم ۲۳ ورق، سطر فی صفحہ ۲۱،

تقطیع:	6 ¼ x 9 ½ / 4 x 6 ¾

۱۸۶۔ دیکھیے: علی الجندی، في تاريخ الآداب الجاهلي (بیروت: مكتبة دار التراث، ۱۹۹۱ء)، ۱۱۳۔

۱۸۷۔ احمد خان، نفس مصدر، ۶۲۸ ؛ رجسٹر ادارہ تحقیقات اسلامی، ۶۔

اس مخطوطے کے مصنف کا نام احمد بن عمر الاسقاطی ہے، اور اس کو دستی مصری کاغذ پر تحریر کیا گیا ہے۔ یہ مخطوطہ صمغ دودی سیاہی سے لکھا گیا ہے اور خطِ نسخ میں تحریر کیا گیا ہے۔[۱۸۸]

۱۰۔ مخطوطہ ۴۰ (داخلہ نمبر ۳۷۸۶)

نام کتاب: في مرسوم خط المصحف، مصنف اسماعيل بن ظافر بن الطاهر العقيلي، (عربی)

اس مخطوط کے مصنف اسماعیل بن ظافر بن الطاہر العقیلی ہیں، جب کہ اسے خلیل بن ابراہیم نے تحریر کیا ہے۔ اس مخطوط کے ۲۹ ورق ہیں، جب کہ اس کی تقطیع ہے: ۶×۳/۹×۶۔ اس مخطوطہ کے ہر صفحہ پر ۱۹ سطریں ہیں جب کہ دستی مصری کاغذ پر صمغ دودی سرخ و سبز رنگین روشنائی سے خط نسخ میں عربی زبان میں تحریر کیا گیا ہے۔ مصنف نے مختلف قرآنی الفاظ کے مختلف کاتبوں کا ذکر کیا ہے۔[۱۸۹]

ادارے میں جو مخطوطات ہیں ان کا کل تعداد کا جدول حسب ذیل ہے:

مسودات	۲۸۲
نادر کتب کی فوٹو کاپی	۱۰۱۳
مائیکرو فلم اور مائیکرو فش	۶۰۶
نادر کتب	۲۵۰۰۰ (Approx.)

ان نوادرات کی علوم کے حساب سے تقسیم حسب ذیل ہے:

قرانیات		حدیث	
قرآن	۹	حدیث	۵
قران تفسیر	۱۷	حدیث علوم	۲

۱۸۸۔ دیکھیے: محمد طفیل، "فہرست مخطوطات کتب خانہ ادارہ تحقیقات اسلامی"، فکر و نظر، اسلام آباد، ۱۱: ۷ (۱۹۷۰ء)، ۸۶۷، رجسٹر مخطوطات، ۴۔

۱۸۹۔ محمد طفیل، نفس مصدر، ۸۶۷؛ رجسٹر مخطوطات، ۵۔

قرآن علوم	۱۳	تاریخ	
تجوید	۱۸	تمدن، تاریخ	۶
		پاک وہند	۹
زبان وادب		**سماجیات**	
اردو ادب	۱	قانون	۵
عربی ادب	۶	سیاسیات	۱
فارسی ادب	۵	معاشیات	۱
قواعد	۱۷	جغرافیہ	۲
قصص	۲	اخلاق	۱
مکتوبات	۲	ادعیہ	۱
		ادیان	۱
فقہ		**سائنس و ٹیکنالوجی**	
فقہ	۵	حیاتیات	۱
فقہ اصول	۴	حیوانیات	۱
فقہ حنفی	۱۱	کیمیا	۲
فقہ شیعی	۱		
دیگر موضوعات			
تراجم	۲	فلکیات و نجوم	۴۲
تصوف	۶	کلام	۲
خطبات	۱	لغت	۳
سوانح و تذکرہ	۴	متفرقات	۵۱
سیرت	۵	مناظرہ	۲
طب	۱۱	منطق	۳

فلسفہ	۱		

نتیجہ

مقالہ ہذا میں پیش کیے گئے افکار و حقائق کا تجزیہ کرنے سے یہ بات سامنے آئی کہ تحریر وہ فکری سرگرمی ہے جس میں معلومات، سوچ، سمجھ اور مشاہدات کو الفاظ کی صورت میں جملوں اور پیراؤں کی شکل میں لوگوں کی سمجھ بوجھ اور حفاظت کی خاطر منتقل کر دیا جاتا ہے۔ تحریر مصنف کے خیالات کی منظم عکاس ہے۔ تحریر کی کئی جہتیں اور نوعیتیں ہیں۔ ارسطو کے خیال میں نظریات اور فکر کی ظاہری صورت تحریر ہے۔ چینی فلسفی Liu Hsieh نے فکر، عمل اور آواز کے درمیان تعلق جوڑتے ہوئے تحریر کو ان کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں تحریر کی خوب صورتی اور ادبی چاشنی مصنف کی اندرونی کیفیات کو ظاہر کرتی ہیں۔ تحریر یعنی Writing کی وضاحت کے دوران تحریر اور کلام کے درمیان تعلق کی نوعیت بھی زیر بحث آتی ہے۔ ارسطو کے خیال میں تحریر کلام کا متبادل نہیں ہے اور اس کی اہمیت اسی وقت اجاگر ہوتی ہے، جب زبان سے کلام کے ذریعے ان الفاظ کی ادائی ہوتی ہے۔ تحریر اور زبان کا گہرا تعلق ہے۔ تحریر ہی کسی زبان کے وجود کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

تحریر کی تاریخ، انسانی تاریخ کا حصہ ہے۔ ہزاروں سال پہلے کا انسان تصویر کشی کے ذریعے لکھتا تھا۔ یہ قدیم تصویریں معلومات کی منتقلی اور اظہار کا ذریعہ تھیں اور یہی تحریر کا آغاز تھیں۔ ۴۰،۰۰۰ سال پہلے سے لے کر چار ہزار سال پہلے تک کے غاروں میں پائے جانے والے تصویری شاہ کار تحریر کے اسی مرحلے کی نشان دہی کرتے ہیں جسے Pictographs کہا جاتا ہے۔ Pictographs بعد میں دوسرے مرحلے میں داخل ہوئے تو مکمل تصویروں کی جگہ تصویر کو بہ طور رسم الخط اختیار کر لیا گیا۔ ان تصویری اشاروں کو Ideographs کہا جانے لگا۔ یہ Ideographs اگلے مرحلے میں رمزی تحریر یا Logaraphs میں تبدیل ہو گئے۔ یہی رموز بعد میں Syllable Character بن گئے۔ انھی سے حروف ابجد کا ارتقا ہوا۔ مختلف زبانوں نے تقریباً ۹۰۰ قبل مسیح میں حروف کا استعمال شروع کر دیا۔ یہی حروف بعد کے ادوار میں ترقی کرتے ہوئے مختلف زبانوں کی ترویج و اشاعت اور شناخت کا ذریعہ بنے۔

حروف اور لکھنے کے اسالیب میں ارتقا کے نتیجے میں کئی زبانیں وجود میں آئیں۔ انھی میں قدیم آرامی زبان بھی شامل ہے ۔ اسی زبان کے خاندان سے Avestan, Syric, Nabataen, Pehlvi, Hebraw, Indic , Armenian اور Arabic زبانوں کا ارتقا ہوا۔ عربی زبان کی اصل نبطی زبان ہے

اور عربی حروف کا استنباط بھی نبطی Nabateen زبان سے ہوا۔ ۵ اور ۶ قبل مسیح کے درمیان اردن میں آباد ہونے والے عرب قبائل نے Nabateen زبان کو آرامی حروف میں لکھنا شروع کر دیا۔ یہی حروف بعد میں تقریباً ۵۰۰ عیسوی میں عربی زبان کے حروف بن گئے۔ عربی زبان نے ترقی کرتے ہوئے بعد میں اپنی منفرد آواز اور لحن کو بھی ترقی دی۔ اسی ترقی کی بنا پر عربی نثر اور عربی شاعری میں عربوں نے قبل از اسلام میں ہی ترقی کر لی اور وہ اپنی زبان دانی پر اتنا فخر کرنے لگے کہ دوسروں کو عجمی یعنی گونگے کہنے لگ گئے۔ طلوع اسلام سے تقریباً ایک سو سال پہلے عربی ایک ترقی یافتہ تحریری زبان بن چکی تھی اور عربوں نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔

نزول قرآن سے پہلے مکہ کے کچھ لوگ لکھنا پڑھنا جان چکے تھے اور انھوں نے معاہدات، خطوط، وثائق اور شاعری کو لکھنا شروع کر دیا تھا۔ تحریر کو یقینی بنانے والے وسائل، قلم اور روشنائی وغیرہ سے بھی قریش مکہ کو آگاہی حاصل تھی۔ اس پس منظر میں جب قرآن پاک نازل ہونا شروع ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے کاتبین وحی کے ذریعے اسے تحریر کرنے کا مکمل انتظام فرمالیا تھا، جب کہ روایتی عربی اسلوب کے مطابق اس کو حفظ بھی کیا جاتا تھا اور اس پر عمل بھی کیا جاتا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں جب قرآن پاک کی تدوین کی گئی تو ان تینوں طریقوں کو توثیق و تصدیق کے لیے استعمال کیا گیا۔ قرآن پاک کی تدوین کے ساتھ ہی عربی زبان کی ترقی و ترویج کے عمل کا بھی آغاز ہو گیا؛ چناں چہ ابتداے اسلام کی صدیوں میں عربی تحریر، گرائمر، صرف و نحو کے اصول و ضوابط تیار ہوئے اور عربی زبان بہ تدریج ایک مذہبی زبان سے سیاسی، ادارتی اور انتظامی زبان بن گئی۔

بعد کے ادوار میں عربی زبان اسلامی تہذیب و تمدن کی ترقی کا سب سے بڑا وسیلہ بن گئی۔ اسی زبان میں دوسری تہذیبوں کی کتب کا ترجمہ شروع ہوا اور مسلمانوں نے اخذ، تازہ کاری اور عطا کی ایک بے مثال تحریک شروع کی۔ پریس کی ایجاد کے بعد تک یہ تحریک جاری رہی اور مسلمانوں کے ہاں مختلف علوم پر لاکھوں کی تعداد میں کتب تحریر کی جانے لگیں۔ ہزاروں سرکاری اور نجی لائبریریاں قائم ہوئیں اور ہر علاقے میں کتابوں کو لکھنے، نقل کرنے یا انھیں املا کرنے کا نہ صرف رواج ہوا، بلکہ اس کے لیے باقاعدہ ادارے وجود میں آئے۔ سیاسی زوال کی وجہ سے علمی زوال بھی آیا تو یہ علمی سیادت مسلمانوں سے یورپ منتقل ہو گئی۔ انسانی تاریخ میں پریس کی ایجاد سے پہلے کی علمی اور تہذیبی ترقی اسلامی تہذیب و تمدن کی نادر تحریری کتابوں کی وجہ سے ہی ممکن ہوئی۔

اسلامی تہذیب و تمدن میں املا، کتابت ایک فن سے ترقی کرتے ہوئے ایک صنعت کی صورت اختیار کر گیا؛ چناں چہ نہ صرف تحریر کی حوصلہ افزائی ہوئی، بلکہ تحریر کو ممکن بنانے والے فنون یعنی کاغذ سازی اور روشنائی وغیرہ میں بھی مہارتوں کو یقینی بنایا گیا۔ آج کے دور میں موجود قدیم نوادرات اسلامی تہذیب و تمدن کے عروج کی اسی کہانی کی گواہی ہیں۔

ادارہ تحقیقات اسلامی کے قیام سے پہلے ادارے کی بہترین لائبریری وجود میں آئی اور ادارے نے مخطوطات اور نوادر کو جمع کرنے کے عظیم کام کا آغاز کیا۔ ادارے کے نوادرات کا تعلق تقریبا ہر علم سے ہے، لیکن ان میں زیادہ تر علوم اسلامیہ بالخصوص قرآن اور علوم قرآن سے متعلق ہیں۔ حدیث، فقہ، تاریخ، اسلامی تہذیب و تمدن، شاعری ادب اور نایاب معلومات پر مشتمل کتب اور مخطوطات بھی ادارے کے نوادرات میں شامل ہیں۔ یہ نوادرات یا تو ادارے کے ذمہ داران نے جمع کیے یا پھر سربراہان حکومت کو پیش کیے گئے نایاب اور منفرد نمونے ادارے کو ہدیہ کر دیے گئے۔ ان نوادارات کے علاوہ مخطوطات، فلموں اور عکسیات کے ذریعے ہزاروں نوادرات جمع ہو گئے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس عظیم علمی ورثے کو محفوظ کیا جائے۔ اسلامی دور کے تحریری انقلاب کے بعد دوسرا بڑا علمی انقلاب پریس کی ایجاد کی صورت میں آیا۔ پریس کے انقلاب کے بعد اب کمپیوٹر کی ترقی کے ذریعے تیسرا بڑا علمی انقلاب آیا۔ اس علمی انقلاب میں ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام قدیم نوادرات کو نہ صرف جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے جمع کیا جائے، بلکہ ان پر تحقیق بھی کی جائے اور ان نوادرات کو منظر عام پر لایا جائے تاکہ موجودہ اسلامی تہذیب و تمدن اپنی اس علمی وراثت سے استفادہ کر سکے۔

۞۞۞۞۞